صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کی مثالی زندگی

سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کی مثالی زندگی

از

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

ترجمہ و پیشکش

محمد وثیق ندوی

ناشر

دار الرشید
Dar Al Rasheed
164/106 Khatoon Manzil, Haidar Mirza Road
Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415
daralrasheed2000@yahoo.com

۱۴۴۰ھ ۔۲۰۱۹ء

نام کتاب	:	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگی
مؤلف	:	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
ترجمہ وپیشکش		محمد وثیق ندوی
صفحات	:	۷۲
تعداد	:	گیارہ سو
قیمت	:	Rs.80

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، فون:0522-2741539

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ، فون:9415912042

مکتبہ ندویہ، احاطہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون:9335070285

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ، فون:9793118234

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، شباب مارکیٹ، مکارم نگر، لکھنؤ9696437283

الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ(:0522)2610443. 6535664

ابراہیم بکڈپو، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی:9919331295

ناشر

دار الرشید
Dar Al Rasheed

164/106 Khatoon Manzil, Haidar Mirza Road
Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415
daralrasheed2000@yahoo.com

فہرست

پیش گفتار	۵
پیش لفظ	۱۱
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں	
محبت وفدائیت اوراتباع نبوی کے محیر العقول نمونے	۱۲
صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآنی آیات	۱۷
صحابہ کرام کے بارے میں احادیث نبویہ	۲۱
صحابہ کرام کی خصوصیات	۲۵
محبت وفدائیت کی چند مثالیں	۲۶
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	۲۶
حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ	۲۷
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۲۷
حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ	۲۷
حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	۲۷
حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ	۲۸
حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ	۲۹
حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ	۲۹
حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ	۳۰
حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	۳۰
ہر مصیبت ہیچ ہے	۳۰
حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ	۳۱

حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ	۳۱
حضرت مالک خدری رضی اللہ عنہ	۳۲
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۳۲
حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ	۳۲
مکمل اطاعت وفرمانبرداری	۳۴
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۳۶
حضرت عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۳۸
عروہ بن مسعود ثقفی کا بیان	۳۹
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۴۰
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۴۱
صحابہ کرام کا ایمان ویقین اور آزمائش	۴۱
صلح حدیبیہ اور صحابہ کرام کی اطاعت وتابعداری	۴۳
فضالہ بن عمیرؓ اور عمرو بن العاصؓ کا واقعہ	۴۵
حضرات انصار سے موثر خطاب	۴۶
جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنفیذ	۴۸
قدسی جماعت	۴۹
صحابہ کرام معیار حق ہیں	۵۱
مدرسۂ نبوی کے تربیت یافتہ	۵۴
صبر وبرداشت کے نمونے	۵۷
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۶۰
عشق نبوی کے نمونہ	۶۲
ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ	۶۳
صحابہ کرام کا امتیاز	۶۶
درسگاہ نبوت کے فیض یافتگان	۶۸

پیش گفتار

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد، وعلی الہ وصحبہ أجمعین، وبعد۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ہر ایک نبوت کا شاہکار اور نوع انسانی کے لیے باعث شرف وافتخار ہے، انسانیت کے مرقع میں؛ بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین وجمیل، اس سے زیادہ دلکش ودل آویز تصویر نہیں ملتی، جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، ان کی خدا ترسی، ان کی پاکبازی، ان کی پاکیزگی، ان کی سخاوت، ان کی شفقت ورافت اور ان کی شجاعت وجلالت، ان کا ذوق عبادت، ان کا شوق شہادت، ان کی شہسواری، ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم وزر سے بے پروائی، ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اور ان کا حسن انتظام، دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جو انسانی افراد تیار کیے، ان میں ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں، تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا، لیکن اب وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں''۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس چمکتی تحریر کو والد ماجد مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنو) کے ہاتھوں

سجے ،صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات پر مشتمل ،اس مہکتے اور مہکاتے
حسین گلدستہ کا مقدمہ بناتے ہوئے ہم یہ گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس کو پروردگار عالم نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور آپ کی تعلیمات کی حفاظت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور اس پاکیزہ جماعت کے ایک ایک فرد نے پوری دیانت، امانت اور صداقت کے ساتھ اس اہم اور نازک ذمہ داری کو اسطرح انجام دیا کہ اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو محبت کے اس مقام پر پہنچے کہ اس محبت پر یقین کرنا مشکل، جانثاری کی اس منزل تک پہنچے کہ اس منزل کو سمجھنا مشکل، فکر آخرت کے اس مرتبہ تک پہنچے کہ اس مرتبہ کا تصور مشکل، ہماری محرومی کہ ہماری آنکھیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کرسکیں؛ لیکن احسان ہے ہم پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا، ایک ایک انداز، ایک ایک کیفیت، ایک ایک سنت، ایک ایک تاثر، ایک ایک عمل اور ایک ایک قول کو اس طرح بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوئے بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔

ہم محسوس کریں یا نہ کریں، لیکن ہوتا کچھ ایسا ہی ہے کہ جب جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہمارے دل کی کیفیت اور ہمارے عمل کی صورت بدلتی ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، صبر کا مزاج بنتا ہے، عمل کا شوق بڑھتا ہے، آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، گناہوں پر ندامت ہوتی ہے، توبہ کی توفیق ملتی ہے، نماز میں دل لگتا ہے، عبادت کا شوق بڑھتا ہے، عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، دل کا زنگ دور ہوتا ہے، دنیا کی طرف بڑھتے قدموں پر ایک بریک لگتا ہے اور دل چیخ چیخ کر دنیا

کو مخاطب کرتے ہوئے وہی کہنے لگتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

"دور رہ مجھ سے دور، وہ میرے علاوہ دوسرے لوگ ہیں جو تیرے دھوکے میں آتے ہیں، میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں، میرے لیے تیری طرف واپسی کا کوئی امکان نہیں، تیری عمر بہت مختصر، تیری زندگی بہت معمولی اور تیرا خطرہ بہت بڑا، آہ! سفر کتنا لمبا ہے، راستہ کتنا ویران ہے اور زادِ راہ کتنا مختصر ہے"۔

فکر کی بات یہ ہے کہ اس دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ کم اور بزرگان دین اور اولیاء کرام کا تذکرہ زیادہ ہوتا ہے اور تذکرہ بھی ان کے کشف و کرامات کا نہ کہ ان کی اس عملی زندگی کا جو دوسروں کے لیے نمونہ بن سکے اور لوگوں کو عمل کی ترغیب دے سکے۔

صحابہ کرام کی زندگی سے ہمیں انفرادی زندگی میں بھی رہنمائی ملتی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی عبارت تھی الفت و مودت سے، ایثار و قربانی سے، کینہ اور حسد سے پاک دل سے، خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے سے، خدا کی خوشنودی پیش نظر رکھتے ہوئے مال کی طلب سے، ایک دوسرے کے لیے ان کے دل میں جو محبت تھی اور ایک دوسرے پر جتنے وہ مہربان تھے شائد ماں بھی اپنی اولاد پر اتنی مہربان نہ ہو۔

یرموک کی جنگ ہے، تپتی ہوئی زمین پر، زخموں سے چور، پیاس کی شدت سے پانی کے لیے بیتاب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، مشکیزہ لیے ساقی جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتا ہے اور پانی کا پیالہ ان کے منہ سے لگاتا ہے تو وہ سہیل بن حارث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو، یہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے، پانی کا پیالہ لیے وہ شخص سہیل بن حارث کے پاس پہنچتا ہے اور پیالہ ان کے ہونٹوں کی طرف بڑھاتا ہے تو وہ حارث بن ہشام کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو، پانی پلانے والا حارث بن ہشام کی طرف قدم بڑھا دیتا ہے، لیکن جب وہ ان کے پاس پہنچتا ہے تو وہ دم توڑ چکے ہوتے ہیں، وہ پلٹ کر سہیل بن حارث کے پاس آتا ہے تو ان کی بھی روح پرواز کر چکی ہوتی ہے، وہ دوڑتا ہوا عکرمہ بن ابوجہل کے پاس پہنچتا ہے تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے ہوتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتاؤ، شروع میں تو ضرار بن ضمرہ نے معذرت چاہی، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اصرار پر اصرار کیا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کیے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کا اتنا اثر پڑا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور رخسار سے ہوتے ہوئے ان کی داڑھی پر گر رہے تھے، روتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے، پھر انہوں نے ضرار بن ضمرہ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ ان کے انتقال پر تمہیں کتنا صدمہ ہوا؟ ضرار بن ضمرہ نے جواب دیا: اس ماں کی طرح جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے، تو نہ تو کبھی اس کے آنسو تھمتے ہیں اور نہ کبھی اس کے دل کو قرار آتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے مہاجرین کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچتا ہے، خالی ہاتھ، تہی دامن، لٹا پٹا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، قربان جائیے اہل مدینہ کی مہمان نوازی پر، ان کے ایثار و قربانی پر، ان کی سخاوت و فیاضی پر، ان کی غمخواری و غمگساری پر، ان کی اسلامی اخوت و محبت پر، اپنی ہر چیز میں آدھا حصہ اپنے مہاجرین بھائیوں کا لگا دیا اور وہ بھی یہ کہتے ہوئے کہ آپ جو پسند کریں۔

اسلامی تاریخ کے ناقابل شکست جرنیل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق کی مہم پر ہیں، فوج کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم آتا ہے کہ قیادت ان سے لے کر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو دے دی جائے،

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہ کوئی احتجاج ہوتا ہے نہ کوئی آواز اٹھتی ہے اور نہ ان کے چاہنے والوں کی طرف سے کوئی ردعمل سامنے آتا ہے؛ بلکہ ان کے منہ سے صرف یہ نکلتا ہے کہ امیر المومنین کا جو حکم ہو، میں اس کا پابند ہوں اور قیادت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے ہاتھ میں دیکر ان کی ماتحتی میں اسی جذبہ کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو خلاف معمول کھانے میں ایک میٹھی چیز دیکھتے ہیں تو تعجب سے اپنی اہلیہ سے پوچھتے ہیں کہاں سے آئی؟ اہلیہ جواب دیتی ہیں! گھر کے خرچ کے لیے جو آپ رقم دیا کرتے تھے اس میں سے بچا بچا کر میں نے اتنی رقم جمع کرلی تھی کہ آج یہ میٹھی چیز بنا سکی، خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گویا گھر کا خرچ اس سے کم میں چل سکتا ہے جتنا میں تم کو دیا کرتا تھا، چنانچہ اسی وقت وہ بیت المال سے ملنے والی اپنی تنخواہ میں اتنی رقم کم کرادیتے ہیں جو ان کی اہلیہ بچالیا کرتی تھیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے یہ وہ چند واقعات ہیں جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، آج صورتحال یہ ہے کہ بھائی بھائی کا حصہ دینے کو تیار نہیں، دوست دوست کی تعریف سننے پر آمادہ نہیں، احتیاط نام کی زندگی میں کوئی چیز نہیں، برطرفی تو بڑی چیز ہے، عہدہ گھٹا دیا جائے تو برداشت نہیں، ان حالات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے یہ نمونے سامنے لانے کی سخت ضرورت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تذکرہ کا اہتمام کیا جائے تاکہ ہماری نوجوان نسل ان کی عظمت، تقدس اور ان کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہوسکے اور ان کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنا سکے۔

یہ کتاب اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی، مولانا محمد وثیق ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو اردو میں منتقل کیا اور اصل کتاب کی تاثیر،

مصنف کا جذبہ اور موضوع کی دلکشی و دل آویزی کو باقی رکھنے میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔

اس کتاب کو آپ تک پہنچانا ہمارے لیے ایک بڑی سعادت کی بات ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس عمل کو قبول فرمائے اور اس کو ہم سب کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔

جعفر مسعود حسنی ندوی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

۲ جنوری ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وخاتم المرسلين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد۔

رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام، دعوت اور نبوی تربیت سے ایسے نیک، صالح اور متقی افراد تیار کیے جو اللہ کی وحدانیت پر سچا ایمان و پختہ یقین رکھتے تھے، اللہ سے ڈرتے تھے، دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے، دنیاوی مال ومتاع کی ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں تھی، اپنی ایمانی اور روحانی قوت سے مادیت پر قابو پالیا تھا، ان کا یہ یقینِ راسخ تھا کہ دنیا ان کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ خود آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، وہ تجارت میں سچے اور امین تھے، فقر وفاقہ میں عزت نفس اور انسانی شرافت کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا، ہر حال میں صابر وشاکر تھے، قول وقرار کے پکے تھے، عمل میں خیر خواہی اور ہمدردی کے پیکر تھے، ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مخلص اور امانتدار تھے، حکومت، اقتدار اور غلبہ کی حالت میں رحم دل، متواضع اور ملنسار تھے اور بیت المال کے بہترین محافظ اور واقف کار خازن تھے۔

اسی قدسی اور نبوی تربیت یافتہ جماعت کے فضل سے قرن اول میں اسلام پوری دنیا میں پھیلا، لہٰذا صحابہ کرامؓ اس امت کا خلاصہ اور عطر ہیں، بلکہ انبیاء اور رسولوں کے بعد پوری نوع انسانی میں سب سے افضل اور برتر ہیں، اللہ کو ایک مانا، اسلام کو اپنا دین مانا

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانا، یہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ کی طرح راسخ اور مستحکم تھا، ایمان لاتے ہی ان کی دنیا بدل گئی، گویا ابھی پیدا کیے گئے ہوں، ان کا تاریک ماضی روشن ہوگیا، ان کے وجود میں ایمان کی لہر دوڑ گئی، اب بس ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ کی رضا وخوشودی حاصل ہوجائے، ان پر آخرت میں اپنے رب سے ملاقات شوق چھا گیا اور اس جنت کی طلب صادق پیدا ہوگئی جس کی وسعت زمین وآسمان بیان کی گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ایمان کے راستہ میں اپنا سب کچھ قربان کردیا، اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، طرح طرح کی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں، جہاد کیا، اللہ اور اس کے رسول کے لیے قربانیاں دیں، انہی کی بدولت اسلام کا بول بالا ہوا، اس کو قوت واستحکام حاصل ہوا اور پھر لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہوگئے۔

وفات رسولؐ کے بعد صحابہ کرامؓ اسلام کے سچے داعی وسپاہی بن گئے، اسلام کے پرچم کو بلند کیا اور دنیا کے چپہ چپہ میں اسلام اور اس کی تعلیمات کو عام کیا، زندگی کی آخری سانسوں تک اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اس کی خدمت کرتے رہے، لوگوں کو شرک وکفر کی تاریکیوں سے نکال کر توحید کی روشنی کی طرف لائے اور دنیا اور آخرت کی سعادت سے سرفراز کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسل ممتاز ترین اور افضل ترین نسل ہے جس کی اسلامی دعوت کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، بلکہ انبیاء کی تاریخ میں ایسا نمونہ نظر نہیں آتا، صحابہ کرام کے فضل واحسان کا انکار ہٹ دھرم اور سرکش شخص ہی کرسکتا ہے، تمام صدیوں میں اس امت پر ان کے احسانات ہیں اور وہ بغیر کسی تفریق وامتیاز کے قیامت تک نمونہ اور معیار ہیں۔

بلاشبہ تمام صحابہ کرامؓ نبوی مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں اور شجر نبوی کے پھل ہیں اور ابتلاء وآزمائش کے مختلف مراحل سے گزر کر پروانہ الٰہی ”رضي اللہ عنہم“ سے سرفراز ہوئے،

اس قدسی جماعت پر جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوا، اگر کوئی کیچڑ اچھالتا ہے تو وہ درحقیقت نبوی تعلیم وتربیت اور شجر نبوی پر کیچڑ اچھالتا ہے۔

صحابہ رسول نے اطاعت خدا، اتباع رسول، اوامر کے نفاذ اور منہیات سے اجتناب میں اعلی ترین مثال قائم کی ہے، جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہی وہ قدسی جماعت ہے جس کے ذریعہ اسلام اپنی صحیح شکل وصورت میں ہم تک پہنچا ہے، پوری امت ان کے احسانات سے گراں بار ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اسلام کی سربندی اور اس کی اشاعت کی خاطر جو بے مثال قربانیاں دیں ہیں، جن آزمائشوں سے گزرے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت وانقیاد کے جوانمٹ نقوش چھوڑے ہیں، وہ سب تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، غیروں نے بھی صحابہ کرام کے مقام ومرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔

اسلامی تاریخ کا یہ بڑا المیہ ہے کہ شرعی علوم (تفسیر، حدیث اور فقہ) سے اشتغال کی وجہ سے مورخین اور مصنفین نے تاریخ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، نتیجتاً تاریخ کے موضوع پر ایسے لوگوں نے قلم نے اٹھایا جنہوں نے تاریخی روایات وواقعات کے سلسلہ میں اس اصول ومعیار کا خیال نہیں رکھا جو روایت حدیث میں اختیار کیا گیا، صرف روایات اکٹھا کردی گئیں اور ان کی چھان بین نہیں کی گئی، بعض مورخین نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے، خود اصفہانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''الاغانی'' میں اس کا اعتراف کیا ہے، ان مورخین میں ایسے لوگ بھی گھس آئے جو روایات کے نقل میں محتاط نہیں تھے؛ بلکہ اپنی کتابوں میں رطب ویابس ہر طرح کی چیزوں اور اختلافی روایتوں کو داخل کردیا؛ بلکہ بعض عظیم اسلامی شخصیتوں کے تعلق سے افتراء پردازی سے بھی گریز نہیں کیا اور ان کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کردیں، اسی وجہ سے تاریخی روایات میں تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد مستشرقین کا دور آیا اور انہوں تاریخ اور سیرت نبوی کو موضوع بنایا اور

ایسے مسائل اٹھائے جن سے بعض اسلامی شخصیتوں کے تعلق سے شبہات پیدا ہوئے، پھر ان کے عرب اور غیر عرب شاگردوں نے ان شکوک وشبہات کو اور ہوا دی اور موثر انداز میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور آج بھی اسلامی تاریخ کو ایک مخصوص زاویہ سے پیش کرنے کا عمل جاری ہے، اس پروپیگنڈہ سے وہ مسلمان مورخین بھی متاثر ہوئے جن کی تعلیم وتربیت مستشرقین کے زیر اثر ہوئی، یا اسلامی موضوعات پر مستشرقین ہی کی لکھی ہوئی کتابوں کو مرجع بنایا، اس کی مثال ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب ''سلسلة الفتنة الكبرى'' ہے، جن لوگوں نے مشاجرات صحابہ کو موضوع بنایا، ان کا مرجع اصفہانی کتاب ''الاغانی'' رہی ہے، اصفہانی ایک پیشہ ور صاحب قلم تھا، اس نے حجاز کے معاشرہ کی جو بدنما تصویر پیش کی ہے وہ اس زمانہ میں بھی تصور سے باہر ہے اور ایسی روایات نقل کردی ہیں جن سے صحابہ کرام کا مقام ومرتبہ اور اعتبار مجروح ہوتا ہے۔

موجودہ عہد میں ایک بار پھر ایسی کوششیں ہورہی ہیں اور ایسی کتابیں اور مقالات لکھے جارہے ہیں جن سے اسلامی تاریخ کا روشن چہرہ داغ دار ہورہا ہے اور بعض اسلامی شخصیتوں کو اور تاریخ میں ان کے مثالی کردار کو نشانہ بنایا جارہا ہے، حتی کہ صحابہ کرام، امہات المومنین اور صحابیات کو نشانہ بنایا جارہا ہے، ان مورخین اور مقالہ نگاروں کا مرجع وہ کتابیں ہیں جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تصنیف کی گئیں جب کہ اسلامی معاشرہ مختلف عناصر پر مشتمل تھا خصوصاً فارسیوں (ایرانیوں) کا غلبہ تھا جن کا دل صاف نہیں تھا اور ان کے دل ودماغ میں عربوں کے ہاتھوں قادسیہ کی فتح کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا۔ فقہی مسالک اور فرقوں کی وجہ سے بھی بعض صحابہ کو نشانہ بنایا گیا۔

پیش نظر رسالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ صحابہ رسول کے ان پہلوؤں کو سامنے لایا جائے جو عام طور پر نظروں سے اوجھل رہتے ہیں، یہ رسالہ اصلاً ان مقالات کا خلاصہ اور ترجمہ ہے جو فضائل صحابہ پر منعقد سیمناروں میں پیش کیے گئے اور بعض عربی رسائل

ومجلات میں شائع ہوئے ، اور پھر کتابی شکل میں شائع ہوئے ، اب اردوداں طبقہ کے لیے پیش کیے جارہے ہیں، یہ کام میرے علمی معاون مولوی محمد وثیق ندوی (استاد تفسیر وادب دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو) نے انجام دیا ہے، انہیں اس کا بڑا سلیقہ اور ذوق ہے، اس سے پہلے بھی کئی مجموعے مرتب کرچکے ہیں، عربی سے اردو میں ترجمہ کے ساتھ حوالہ جات کی مراجعت بھی کی ہے۔ اللہ تعالی اس عمل کو قبول فرمائے اور ہم سب کو رسول اور اصحابِ رسول کی محبت نصیب فرمائے (آمین)۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنو

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ
یکم جنوری ۲۰۱۹ء

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں

محبت وفدائیت اور اتباع نبوی کے محیر العقول نمونے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت طیبہ اور دین کی نصرت واشاعت میں ان کے غیر معمولی کارناموں اور اسلام کے فروغ کے لیے ان کی ناقابل فراموش خدمات کو وقتاً فوقتاً خود مسلمانوں کے سامنے لانے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ دین اسلام پر اعتماد بحال رہے، اسلام کی صحیح شکل ان کے دل ودماغ میں تازہ رہے اور ایمان ویقین، اتباع سنت، حبِّ رسول اور اشاعت دین کے راستہ میں قربانی دینے کا جذبہ دلوں میں موجزن رہے، یہ قدسی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو جان ودل سے زیادہ عزیز رکھ کر راہ خدا میں سخت اذیتیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں، گھر بار چھوڑا، جہاد کیا، ہجرت کی اور دنیا میں دین کے پیغام کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور قرآن کے پیغام کو عام کرنے کے لیے نکل پڑے، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک، عرب سے عجم تک اور جہاں ممکن ہوا وہ وہاں گئے اور جہاں خود نہ پہنچ سکے وہاں تابعین کو بھیجا، کچھ نے جام شہادت نوش کیا، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنے اور دنیا کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں جا کر اپنے اعلی اخلاق وکردار کے ذریعہ اسلام کی حقانیت ثابت کی اور لوگوں کی تربیت کے ذریعہ ایمان ویقین دلوں میں راسخ کیا اور ربانیت پیدا کی، صحابہ کرامؓ کا قیامت تک آنے والی نسلوں پر احسان رہے گا،

کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے، یہ ایک حقیقت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآنی آیات

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام کے لیے قربانی، اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فدائیت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار، تعاون، ہمدردی، زہد وعبادت، تواضع، نماز میں انہماک، توحید کی پختگی، کفر وشرک سے آخری درجہ کی نفرت، اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی طلب، توبہ وانابت، اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے آگے جان دینے اور سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ، خشیت اور اللہ کا خوف اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کا جذبہ، گناہوں سے اجتناب، طاعات کا شوق اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور جو عہد کرنا اس کو پورا کر دکھانا، یہ سب صفات وخصوصیات اور امتیازات اسی قدسی جماعت کے تھے جسے اللہ تعالی نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اور ان کے ساتھ جہاد وقربانی کے لیے تیار کیا تھا اور اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متعدد جگہ ان کے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنی رضامندی کا پروانہ دیا ہے {رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ} (سورۃ التوبۃ:۱۰۰)۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (سورہ فتح:۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں،

آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا جو کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ (سورہ توبہ: ١١٧-١١٨)

یقیناً اللہ نبی پر اور مہاجرین وانصار پر مہربان ہوا جنہوں نے مشکل گھڑی میں بھی نبی کا ساتھ دیا جبکہ لگتا تھا کہ ان میں بعضوں کے دل پھر جائیں گے، پھر وہ ان پر مہربان ہوا، بلاشبہ وہ تو ان پر بڑا شفیق اور رحم کرنے والا ہے اور ان تین پر بھی جن (کے معاملہ) کو موخر کیا گیا، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں ان پر دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے سوا کہیں اور پناہ نہیں تو پھر وہ ان پر مہربان ہوا تاکہ وہ پلٹ آئیں، بلاشبہ اللہ ہی بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ

قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ (سورہ فتح:۱۸-۱۹)

اللہ ان ایمان والوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کو پرکھ لیا، پھر ان پر سکون اتارا اور قریب ہی ایک فتح انعام میں دی اور بہت سا مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ آئے گا اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ (سورہ توبہ:۱۰۰)

اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنہوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اسی میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہی بڑا کامیابی ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ (سورہ حشر:۸-۹)

(یہ مال فئی) ان وطن چھوڑنے والے محتاجوں کا بھی ہے جن کو ان کے گھروں سے اور مالوں سے نکالا گیا، وہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں

اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور جو ایمان کے ساتھ پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ) میں مقیم ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو ان کو دیا جاتا ہے یہ اپنے جی میں اس کی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں، خواہ خود تنگ دستی کا شکار ہوں اور جو بھی اپنے جی کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

(سورہ سجدہ: ۱۵-۱۷)

ہماری نشانیوں کو ماننے والے تو وہ ہیں کہ جب وہ نشانیاں ان کو یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ اکڑ نہیں دکھاتے، ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے رہتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان کے کاموں کے بدلہ میں کیا کچھ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ

هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴿۳۹﴾ (سورہ شوریٰ:۳۶-۳۹)

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور اپنے رب کی بات مانتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کے معاملات آپس کے مشورہ سے (طے ہوتے) ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ مقابلہ کرتے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴿۲۴﴾ (سورہ احزاب:۲۳-۲۴)

انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا وہ پورا کر دکھایا، تو بعضوں نے اپنا ذمہ پورا کر دیا اور بعض انتظار میں ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دیدے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے، یقیناً اللہ بہت مغفرت فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام کے بارے میں احادیث نبویہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت اہمیت کا حامل ہے:۔

"خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، قال عمران:

فلا أدري أ ذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثة؟ ثم إن بعدهم قوماً يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون، وينذرون ولا يوفون، ويظهر فيهم السمن"۔

میری بہترین امت میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر جوان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جوان کے بعد آئیں گے، حضرت عمران کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات یاد نہیں رہی کہ آپ نے اپنا زمانہ ذکر نے کے بعد دوزمانوں کا ذکر کیا یا تین زمانوں کا، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی نہیں مانگی جائے گی، وہ خیانت کریں گے، امین نہیں بنائے جائیں گے، نذریں مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔

(بخاری ومسلم)

سابقین اولین کے فائق اور زیادہ بلند مقام کے حامل ہونے کے لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے بعد ایمان لانے والے صحابی اور شروع میں ایمان لانے والے صحابی کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

"لا تسبوا أصحابي فو الذی نفسي بیده لو أنفق أحد کم مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصیفه"

میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم کہ اگر تم میں کوئی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کے مد یا نصف مد کے برابر صدقہ کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:۔

''اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ، جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھکو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے''۔
(ترمذی، باب فیمن سب أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ومسند احمد: ۴؍۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ صحابہ کو گالیاں دے رہے ہیں، تو کہو: تم میں سے سب سے برے پر اللہ کی لعنت ہو۔ (ترمذی، باب المناقب)

ایک حدیث میں اپنے طریقہ کی اتباع کے ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنے کی وصیت فرمائی، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے میرے بعد جو بھی زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا تو ایسی صورت میں میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرتے رہنا اور اسے تھامے رکھنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا اور نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔ (امام احمد، ابوداود، ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے)۔

اور ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''أصحابی کالنجوم بأیہم اقتدیتم اهتدیتم''

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اتباع کروگے ہدایت پاؤگے۔

(جمع الفوائد ۲/۲۰۱)

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

''انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے، اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے'' (کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ نجات پانے والا اور جنت میں داخل ہونے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

جو اس راستہ پر چلے جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں''۔ (ترمذی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے صحابہ کی عزت اور ان کا اکرام کرو، یقیناً وہ تم میں بہترین لوگ ہیں۔

(امام احمد، نسائی اور حاکم نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ

میرے صحابہ کے بارے میں میرا خیال رکھو۔

(ابن ماجہ: ۲/ ۶۴، امام احمد: ۱/ ۱۸)

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

تم لوگ اس وقت تک برابر خیر وعافیت سے ساتھ رہو گے جب تک تمہارے

درمیان وہ لوگ موجود ہوں گے جنھوں نے مجھے دیکھا اور میری صحبت اختیار

کی، خدا کی قسم تم لوگ برابر خیر وعافیت کے ساتھ رہو گے جب تک تمہارے

درمیان وہ لوگ موجود ہوں گے جنھوں نے مجھے دیکھنے اور میری صحبت اٹھانے

والوں کو دیکھا (یعنی تابعین) (مصنف ابن شیبہ: ۱۲/ ۱۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ

تم میں جو شخص کسی کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اختیار کرے، اس لیے کہ اصحاب رسول امت میں سب سے بہترین اور سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف برتنے والے اور سیرت وکردار میں سب سے بہتر تھے اور ان کے احوال سب سے اچھے تھے، یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ورفاقت کے لیے اور اقامت دین کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ ان کی فضیلت اور مقام ومرتبہ کو سمجھو اور ان کی پیروی کرو، یہ تمام صحابہ ہدایت مستقیم پر تھے''۔

(شرح السفارینی للدرۃ المضیۃ ۲/ ۳۸۰)

ابوداود طیالسی نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تمام بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا اور انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا، پھر دوبارہ لوگوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو صحابہ کے دلوں کو سب سے بہتر پایا اور ان کو آپ کی رفاقت وصحبت کے لیے اور اپنے دین کی نصرت ومدد کے لیے چنا''۔

(شرح السفارینی للدرۃ المضیۃ ۲/ ۳۸۰)

صحابہ کرام کی خصوصیات

صحابہ وہ تھے کہ جب اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو انہوں نے اس پر اپنے ایمان ویقین کی بات کہی، اللہ تعالی نے ان کی بات نقل فرمائی کہ: ''رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا'' اور ان کا معاملہ یہ ہوا کہ اپنے کو پورے طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کر دیا اور اس طرح حوالہ کر دیا کہ جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ، جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ، ان کے لیے تکلیف نہ رہی، اور جس میں ان کی پہلے خوشی تھی

اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشی نہ پائی تو اس خوشی کو فنا کر دیا، چنانچہ ایمان بالغیب، للّہی محبت، نبوی فدائیت، آپسی ایثار و تعاون، ایمان والوں کے لیے نہایت نرم دل اور اہل کفر و شرک پر نہایت سخت، آخرت کو پیش نظر رکھنا، لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر اور حرص کہ کس طرح لوگ سب کے سب ایک اللہ کے ہو کر رہیں اور اسلام کے سایۂ عدل میں سیر کریں، کس طرح اللہ کا شوق اور جنت کی طلب پیدا ہو جائے اور اس سے آگے دنیا و مافیہا نگاہوں سے بالکل گر جائے، یہ سب صحابہ کرام کی ممتاز خصوصیات ہیں، یہی جذبہ اور حوصلہ تھا کہ جس نے صحابہ کو اپنی محبوب جگہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں رہنے نہ دیا اور وہ دور دور نکل گئے، وطن کو خیر آباد کہا اور کفر و شرک کی جگہوں میں جا کر ایمان کی عطر بیز ہوا چلائی، توحید و ایمان، عبادت و تقوی، اور سنت و طاعت کی حکومتیں قائم ہوئیں، اسلام دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلتا چلا گیا اور جہاں وہ گئے وہاں اسلام اپنی زبان و ثقافت کے ساتھ گیا اور وہ عجمی ملک عربی اسلامی ملک بنا گئے، جہاں وہ خود نہیں گئے وہاں اسلام تو پہنچا، لیکن زبان و ثقافت نہیں بدلی جس کی وجہ سے مشرکانہ رسوم اور جاہلی عادات اور رسم و رواج اپنا اپنا رنگ ظاہر کرتی رہیں۔

یہ نتیجہ تھا صحابہ کرام کا اپنے نبی ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت کا، فدائیت اور جانثاری کا، صحابہ کرام نے سنت نبوی کو حرزِ جاں بنا لیا تھا، ان کی پوری زندگی حیات نبوی اور سنت نبوی کا صاف و شفاف آئینہ تھی، ان کی زندگی کا کوئی بھی شعبہ سنت رسول کی نمائندگی سے خالی نہیں تھا، دشمنوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ صحابہ کرام وہ مثالی جماعت ہے جس نے سنت رسول پر عمل کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔

محبت و فدائیت کی چند مثالیں

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

محبت و فدائیت کی مثالیں بہت ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگی

میں جلوہ گر رہیں، خاص طور پر احد کی جنگ میں اس کی ایسی مثالیں سامنے آئیں جس کی دنیا نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تو اسی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ آ گیا۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ

ابودجانہؓ ڈھال بن کر آپؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے، تیر ان پر گرتے رہے؛ لیکن وہ اسی طرح آپ پر جھکے رہے، یہاں تک کہ ان کی پیٹھ تیروں سے چھلنی ہو گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاصؓ اسی جگہ کھڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں دشمن پر تیر چلاتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک تیر ان کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد ہوتا ''ارم فداک أبی وامی'' تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اسی طرح تیر چلاتے رہو۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۰-۸۲)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ

قتادہ بن النعمانؓ کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کر دیا، وہ آنکھ ایسی اچھی ہوئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تھے، لیکن تقدیر الٰہی کا فیصلہ کچھ اور تھا، جب

انہوں نے آپؐ پر حملہ کیا، تقریباً دس آدمی آپؐ کے سامنے آگئے اور سب ایک ایک کر کے آپؐ پر قربان ہو گئے، پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی سب انگلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں اور ہاتھ مفلوج ہو گیا، رسول اللہ ﷺ وہیں ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے، لیکن زخموں کی وجہ سے خاصہ ضعف ہو گیا تھا اور چڑھنا دشوار ہو رہا تھا، یہ دیکھ کر حضرت طلحہ آپ ﷺ کے نیچے بیٹھ گئے اور ان کا سہارا لے کر آپؐ اس چٹان پر تشریف لے آئے، نماز کا وقت آیا تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۶، زاد المعاد: ۱/۳۵۰)

حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ

غزوہ احد میں جب لوگ شکست کھا کر منتشر ہونے لگے تھے، انس بن النضرؓ (جو رسول اللہ ﷺ کے خادم انس بن مالکؓ کے چچا ہیں) نے اس وقت بھی شکست تسلیم نہ کی اور آگے بڑھتے رہے، سعد بن معاذؓ ان کو راستہ میں ملے اور پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے: جنت کی خوشبو احد پہاڑ کی طرف سے صاف محسوس ہو رہی ہے، انس بن النضرؓ مہاجرین و انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں، انھوں نے کہا: تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے، انس بن النضر نے کہا: پھر آپ ﷺ کے بعد زندہ رہنے کا کیا فائدہ؟ اٹھو اور جس پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے، اسی پر تم جان دے دو، یہ کہہ کر آگے بڑھے، دشمن سے دو دو ہاتھ کیے اور جان دے دی، ان کے بھتیجے انس بن مالکؓ کہتے ہیں: اس دن ہم نے ان کے جسم پر ستر زخم شمار کیے، زخموں کی کثرت سے ان کو پہچاننا ناممکن ہو رہا تھا، صرف ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک پور سے ان کو پہچانا جس پر بچپن کی نشانی تھی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۲)

حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ

زیاد بن السکنؓ پانچ انصاریوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے لڑ رہے تھے اور ایک ایک کر کے شہید ہوئے جا رہے تھے یہاں تک کہ یہ زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر گر پڑے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو میرے قریب لے آؤ، لوگوں نے ان کو اٹھا کر آپؐ کے سامنے لٹا دیا، آپؐ نے ان کے سر کو اپنے قدم مبارک پر رکھ لیا اور اس حالت میں ان کی جان نکلی کہ ان کے رخسار رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر تھے۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۱)

حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ

عمرو بن الجموحؓ کے پاؤں میں شدید لنگ تھا، ان کے چار صاحبزادے تھے، سب جوان تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربانی و سرفروشی کے ہر موقع پر حاضر بھی رہتے تھے، جب آپؐ غزوہ احد کے لیے روانہ ہوئے تو عمرو بن الجموحؓ نے بھی چلنے کا ارادہ کر لیا، ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے رخصت رکھی ہے، اگر تشریف رکھیں تو اچھا ہے، ہم لوگ آپ کی طرف سے کافی ہیں، آپ پر جہاد فرض نہیں ہے۔

عمرو بن الجموح رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے جہاد میں شرکت سے روک رہے ہیں، اور خدا کی قسم میری آرزو ہے کہ میں بھی شہادت پاؤں اور جنت میں اسی طرح لنگڑاتا ہوا چلوں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے جہاد سے تمہیں معافی دے دی ہے اور ان کے بیٹوں سے ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے کہ تم ان کو جہاد میں جانے دو (وہ اپنا ارمان نکال لیں) چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے، اور شہادت کی آرزو و تمنا پوری ہوئی۔

(زاد المعاد: ۳/۲۰۸)

حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ

زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے سعد بن الربیع کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ نظر آجائیں تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا ہے کہ اس وقت تمھیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ مقتولین کے درمیان میں ان کو تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک جگہ وہ مجھے نظر آئے، میں قریب گیا دیکھا تو آخری وقت تھا، ان کے جسم پر نیزہ، تلوار اور تیر کے ستر زخم تھے، میں نے کہا: سعد، رسول اللہ ﷺ نے تمھیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے بتاؤ اس وقت تمھاری کیا کیفیت ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ یارسول اللہ (ﷺ) مجھے اس وقت جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہونچ گئے اور تمھارے دم میں دم رہا تو اللہ تعالی کے پاس تمھارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا، یہ کہتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ (زادالمعاد: ۳/ ۲۰۷)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن جحشؓ نے غزوۂ احد کے سلسلہ میں کہا، اے اللہ تجھے تیری قسم کہ میں کل دشمن کا مقابلہ کروں وہ مجھے قتل کردیں، پھر میرا پیٹ چاک کردیں اور میرے ناک کان کاٹ ڈالیں پھر تو مجھ سے پوچھے کہ یہ سب کس کے لیے تھا؟ میں جواب دوں: تیرے لیے۔ (زادالمعاد: ۳/ ۲۰۸)

ہر مصیبت ہیچ ہے

مسلمان مدینہ پہنچے تو راستہ میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پر ان کا گذر

ہوا جس کے شوہر، بھائی اور باپ تینوں اس جنگ میں کام آ گئے تھے، جب مسلمانوں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انھوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت بتاؤ؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ام فلاں! الحمد للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ تمہاری آرزو ہے صحیح سلامت ہیں، کہنے لگیں کہ مجھے آپؐ کو دکھاؤ، میں خود آپؐ کو دیکھنا چاہتی ہوں، لوگوں نے آپؐ کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۹۹/۲)

حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ

بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چلو بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، عمیر بن الحمام انصاریؓ نے یہ جملہ سنا تو کہنے لگے یا رسول اللہ وہ جنت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! کہنے لگے واہ واہ! آپؐ نے فرمایا، یہ بات کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ کوئی بات نہیں، یہ میں اس خیال سے کہہ رہا ہوں کہ شاید میر قسمت میں بھی یہ جنت ہو؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں تمہیں یہ جنت نصیب ہوگی، اس کے بعد انھوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر اچانک کہنے لگے کہ اگر میں نے ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کیا تو بہت دیر لگادوں گا، اتنا جینے کی تاب نہیں، یہ کہہ کر جو کھجوریں رہ گئی تھیں پھینک دیں اور میدان جنگ میں کود پڑے اور شہادت پائی۔

(صحیح مسلم، سیرت ابن کثیر: ۴۲۱/۲، زاد المعاد: ۳۴۵/۱)

حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ

زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر قتل کے لیے لے جایا گیا تو اس وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع تھے، جن میں ابوسفیان بھی تھے، انھوں نے حضرت زید سے

کہا: زید میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے! ابوسفیان نے اس پر کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی کرتے ہیں (اس کے بعد ان کو شہید کر دیا گیا)۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۱۷۴)

حضرت مالک خدری رضی اللہ عنہ

حضرت مالک خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو منہ سے صاف کیا اور خون و پیپ منہ کے اندر کر لیا، آپ نے کہا: اس کو تھوک دو، انہوں نے کہا یا رسول، نہیں، میں اسے ہرگز نہیں تھوکوں گا۔ (زادالمعاد: ۲/ ۱۳۶)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

فتح مکہ سے پہلے مصالحت کی کوشش کے سلسلہ میں ابوسفیان بن حرب بن ربیعہ مدینہ پہنچے اور اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے، اس پر ان کی صاحبزادی نے فوراً بستر کو پلٹ دیا، اس پر وہ تعجب سے بولے کہ بیٹی! یہ نہیں سمجھ پایا کہ تم نے اس بستر کو میرے لیے مناسب نہیں سمجھا، یا یہ کہ تم نے مجھ کو اس بستر کے لائق نہیں سمجھا، انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ شرک کرنے والے ہیں، لہٰذا شرک میں گندگی ہے، انہوں نے کہا کہ بخدا!! تم میں مجھ سے رخصت ہونے کے بعد خرابی آ گئی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۳۹۶)

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مجمع میں دعوت کی نیت سے کھڑے ہوئے اور اللہ

اوراس کے رسول کی دعوت دینی شروع کی، تو مشرکین غیظ وغضب کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑے اوران کو بہت زیادہ زدوکوب کیا، عتبہ بن ربیعہ دو پھٹے پرانے جوتوں سے ان کے چہرہ کو اس طرح مارتا رہا کہ بعد میں ان کے چہرے کے خدوخال پہچانے نہ جاتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے لوگ بنوتیم حضرت ابوبکر کواس حالت میں اٹھا کر لے گئے کہ ان کوان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا، دن ڈھلے آپ کو ہوش آیا اور پہلا لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ ان لوگوں نے اس پر ان کو برا بھلا کہا (کہ اس حال میں بھی ان کواپنے سے زیادہ ان کی فکر ہے جن کی وجہ سے یہ ساری پریشانی اٹھانی پڑی) اسی وقت ام جمیل جو اسلام لا چکی تھیں ان سے قریب ہوئیں تو انہوں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے کہا آپ کی والدہ قریب کھڑی ہیں سن لیں گی، انہوں نے کہا میری اللہ سے نذر ہے کہ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر نہ ہو جاؤں، یہ سن کر وہ دونوں وہاں رک گئیں، جب لوگوں کی آمدورفت بند ہوئی اور سناٹا ہوا، تو وہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کو سہارا دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کے لیے بہت دعاء کی اوران کو اسلام لانے پر آمادہ کیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۹۳-۲۹۴، سیرت ابن کثیر: ۱/ ۴۳۹-۴۴۱)

روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ چلنے میں کبھی آپ کے آگے رہتے کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو محسوس فرمایا اور کہا کہ ابوبکر کیا بات ہے، کبھی تم میرے پیچھے چلتے ہو اور کبھی آگے؟ انہوں نے کہا کہ یارسول مجھے تعاقب کا خیال آتا ہے تو میں پیچھے چلنے لگتا ہوں، پھر گھات کا خطرہ ہوتا ہے تو آگے آجاتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۳/ ۱۸۰، منقول از

بیہقی بروایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

جب دونوں حضرات غار پہنچ گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یارسول اللہ آپ ذرا توقف فرمائیں، میں غار کو دیکھ بھال لوں اور صاف کرلوں، اس کے بعد وہ غار کے اندر گئے اور اس کو صاف کر کے اور سوراخ وغیرہ بند کر کے باہر آئے، اس وقت ان کو یاد آیا کہ ایک بل باقی رہ گیا ہے جس کو وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکے، پھر انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ آپ ذرا اور توقف فرمائیں، میں اس کو دیکھ لوں، پھر اس کے اندر گئے اور جب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو کہا یارسول اللہ اب آپ اندر تر آئیں، چنانچہ آپ اندر تشریف لے آئے۔ (البدایہ والنھایہ: ۳/۱۸۰)

مکمل اطاعت وفرمانبرداری

ہر حال میں اور ہر امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور اطاعت شعاری وجانثاری میں صحابہ کرام اس مقام کو پہنچ گئے تھے جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملی اور نہ بعد میں، چنانچہ کیسے بھی حالات ہوتے صحابہ اپنے رسول کی اطاعت وانقیاد میں ادنی بھی تاخیر اور کسی بھی طرح کا کوئی ٹال مٹول نہ کرتے۔

معرکہ بدر سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا زبردست لشکر روانہ ہو چکا ہے تو آپؐ نے اپنے اصحاب کرامؓ سے مشورہ فرمایا، لیکن اس وقت آپؐ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا، اس لیے کہ انہوں نے اسی بات پر بیعت کی تھی کہ وہ مدینہ میں آپؐ کی پوری حفاظت اور مدد کریں گے، جب آپؐ نے مدینہ سے روانگی کا قصد فرمایا تو آپؐ نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس وقت انصار کیا سوچ رہے ہیں، سب سے پہلے مہاجرین نے اپنی بات کہی اور بہت اچھی طرح آپؐ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا، آپؐ نے دوبارہ مشورہ کیا، مہاجرین نے پھر آپؐ کی تائید کی، پھر جب آپؐ نے تیسری بار دریافت کیا

تو انصار کو احساس ہوا کہ آپؐ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے، چنانچہ سعد بن معاذ نے فوراً اس کا جواب دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ شاید آپؐ کا روئے سخن ہم لوگوں کی طرف ہے اور آپؐ ہماری بات سننا چاہتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاید آپؐ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ انصار نے صرف اپنے وطن اور اپنی سرزمین میں آپؐ کی نصرت کا ذمہ لیا ہے، میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور ان کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپؐ جہاں چاہیں روانہ ہوں، جس سے چاہیں تعلق فرمائیں اور جس سے چاہے ختم کریں، ہمارے مال و دولت میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور ہم کو جتنا پسند ہو عطا فرمائیں، اس لیے کہ جو کچھ آپؐ لے لیں گے وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ پسند ہوگا جو آپؐ چھوڑیں گے، آپؐ کوئی حکم دیں گے تو ہماری رائے آپؐ کے تابع فرمان ہوگی، خدا کی قسم اگر آپؐ چلنا شروع کریں یہاں تک ''برک غمدان'' تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپؐ کے ساتھ چلتے رہیں گے اور خدا کی قسم آپؐ سمندر میں داخل ہو جائیں گے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔

حضرت مقدادؓ نے کہا: ہم آپؐ سے ایسا نہ کہیں گے جیسا موسیٰ کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ''فاذھب أنت و ربک فقاتلا إنا ھھنا قاعدون'' (جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے) ہم تو آپؐ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے دشمنوں کا سامنا کریں گے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو روئے انور خوشی سے دمکنے لگا اور آپؐ کو اپنے صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بڑی مسرت ہوئی، آپؐ نے فرمایا: ''سیروا و أبشروا'' چلو اور بشارت حاصل کرو۔

(زاد المعاد: ۳/ ۱۷۳، سیرت ابن ہشام: ۱/ ۶۱۴، بخاری، مسلم فی باب غزوۂ بدر)

اطاعت اور تعمیل حکم کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو شراب کی حرمت کے حکم کے وقت پیش آیا، حضرت ابو بریدہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ میں اٹھا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دوں اور سلام

کروں، ادھر شراب کی حرمت نازل ہوچکی تھی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۹۰ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝۹۱ (سورہ مائدہ:۹۰-۹۱)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا اب تم رک جاؤ گے؟

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت ''هَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ'' (کیا تم رک جاؤ گے) تک پڑھ کر سنادی، کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں ساغر تھا، کچھ پیا تھا اور کچھ ساغر میں بچ رہا تھا، جو شراب ہونٹوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی گئی۔ (تفسیر ابن جریر طبری، جلد ۷)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صحابہ کرامؓ کی اطاعت وتابعداری کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین شخصوں سے گفتگو ممنوع قرار دی تھی جو غزوہ تبوک نہ جاسکے تھے، تو لوگوں نے آپؐ کی بات مانی اور مدینہ منورہ ان تینوں کے لیے شہر خموشاں بن گیا جہاں کوئی بات کرنے والا اور بات کا جواب دینے والا نہ تھا، حالانکہ وہ سب بھائی بھائی تھے، ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ان تینوں حضرات کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا، بات کرنا تو درکنار، کسی نے بھی ان کی طرف التفات تک نہ کیا اور

پورا مدینہ ان کے لیے اجنبی بن گیا، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

''اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم تینوں سے کوئی بات نہ کرے تو لوگ کنارہ کش ہو گئے اور ایسا رخ بدلا گویا کبھی جان پہچان تھی ہی نہیں، یہاں تک کہ میرا دل تنگ ہو گیا اور زمین وہ زمین ہی معلوم نہیں ہوتی تھی جس کو میں پہچانتا تھا، اس حالت میں ہم پر پچاس راتیں گزر گئیں، میرے دونوں ساتھی تو اپنے گھروں میں تھک کر بیٹھ گئے اور روتے رہے، لیکن میں جوان آدمی تھا، نکلتا تھا، نماز میں شریک ہوتا تھا، بازاروں میں پھرتا تھا، لیکن ہم سے کوئی بات نہ کرتا تھا، میں مسجد میں آتا تھا، نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی مجلس میں تشریف رکھتے میں سلام کرتا اور ان کو دیکھ کر دل میں کہتا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹوں کو جواب دینے میں حرکت ہوئی؟ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نماز پڑھتا اور چھپی نظر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا، جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو دیکھتے اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے بے رخی کرتے۔

مسلمانوں کی بے رخی کو مدت ہو گئی تھی، ایک دن میں ابوقتادہؓ کی طرف گیا وہ میرے چچا زاد بھائی ہوتے تھے اور مجھے بہت محبوب تھے، میں ان کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر پہنچا اور ان کو سلام کیا، واللہ انہوں نے میرے سلام کا جواب تک نہ دیا، میں نے کہا: اے ابوقتادہؓ! میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے، وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ قسم دی، مگر وہ خاموش رہے، پھر میں نے ان کو قسم دی، انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، اس وقت میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور میں چلا آیا''۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت و تعلق کا یہ حال تھا کہ ہر ایک پر آپ ﷺ کو ترجیح دیتے تھے، عین اس مقاطعہ کے زمانہ میں غسان کا بادشاہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے دربار کی پیش کش کرتا ہے، اس بے رخی اور عتاب کے زمانہ میں یہ حقیقتاً سخت آزمائش تھی، لیکن وہ رد کردیتے ہیں، وہ کہتے ہیں:۔

''میں مدینہ کے بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک نبطی شام کے نبطیوں میں سے تجارت کا غلہ لے کر آیا، کہتا تھا کہ کوئی شخص مجھے کعب بن مالکؓ کا پتہ دے سکتا ہے؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں نے اس کو پڑھا، اس میں لکھا تھا'' مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا تم سے ناراض ہیں، تم ذلت و ناقدری کی جگہ رہنے پر مجبور نہیں ہو، تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہاری غمخواری کریں گے''۔ جب میں اس کو پڑھ چکا تو میرے رنج کی کوئی حد نہ رہی، میں نے کہا یہ اور بڑی مصیبت ہے اور میں نے اس خط کو تنور میں جھونک دیا''۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابن جریر طبری ابن زید سے روایت کرتے ہیں کہ

عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: دیکھتے ہو تمہارے والد کیا کہتے ہیں،؟ وہ بولے یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، وہ کیا کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہتے ہیں کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا، وہ بولے: خدا کی قسم یارسول اللہ ﷺ! انہوں نے سچ کہا، بخدا آپ معزز ہیں اور وہ ذلیل ہیں، یارسول اللہ ﷺ آپ مدینہ تشریف لائیے اور اہل یثرب کو علم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں، اگر اللہ و رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر

لے آؤں تو میں حاضر ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔
جب لوگ مدینہ پہنچے تو عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی مدینہ کے دروازے پر تلوار لے کر اپنے باپ کے انتظار میں کھڑے ہو گئے، جب ان کے والد آئے، تو بولے:
''تم ہی کہتے تھے کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا؟ تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ معزز کون ہے؟، خدا کی قسم! تم مدینہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر نہیں رہ سکتے''۔
عبداللہ بن اُبی نے کہا: ''اے خزرج کے لوگو! دیکھو میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے، اے خزرج کے لوگو! میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے''۔
وہ بولے: ''خدا کی قسم، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا''۔
لوگ اکٹھا ہو گئے اور ان کو سمجھایا، انہوں نے کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا، لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ کو خبر دی، آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور عبداللہ سے کہدو کہ آنے دو۔
لوگ واپس آئے، انہوں نے کہا: ہاں! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت آ گئی ہے، وہ مدینہ میں داخل ہو سکتا ہے''۔ (تفسیر طبری: ۸)

عروہ بن مسعود ثقفی کا بیان

عروہ بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی شان و شوکت بھی دیکھی ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی عزت اور تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی

محمد ﷺ کی کرتے ہیں، جب بھی وہ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے اور جب وہ ان کو کوئی حکم فرماتے ہیں تو وہ سب ان کے حکم پر لپکتے ہیں اور جب وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی پر لڑتے لڑتے رہ جاتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، وہ لوگ فرط تعظیم وادب سے آپ سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ (زاد المعاد: ۳/ ۲۹۴)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مکہ سے ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام فرمایا، ابوایوب انصاریؓ نے آپ ﷺ کی ضیافت، میزبانی، خاطر مدارات اور ادب و تعظیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، بالائی منزل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہو کر رہنا ان کو گوارا نہ ہوا، وہ نیچے آ گئے اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اوپر تشریف رکھیں، وہ اور ان کے گھر والے نیچے رہیں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوایوب ہم کو اور ہمارے ملنے والوں کو اسی میں زیادہ راحت ہوگی کہ ہم نیچے رہیں۔

ابوایوب انصاریؓ کچھ خوش حال لوگوں میں نہ تھے، لیکن آج اپنے گھر میں آپ ﷺ کے قیام سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اور اس سرفرازی اور عزت جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی، کے شکر ادا کرنے سے ان کی زبان قاصر تھی، محبت، خدمت و راحت رسانی کے آداب خود سکھا دیتی ہے، ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے رات کا کھانا تیار کر کے بھیجتے، اگر آپ کا پس خوردہ واپس آتا تو میں اور ام ایوب اس طرف سے جہاں سے آپ نے کھایا ہوتا، بچا ہوا کھاتے اور برکت حاصل کرتے، حضور ﷺ نیچے کی

منزل میں تشریف رکھتے تھے اور ہم لوگ اوپر تھے، ایک مرتبہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے، ٹوٹ گیا، میں نے اور ام ایوب نے اپنی چادر سے جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کے لیے کی کوئی چیز نہ تھی، اس پانی کو خشک کیا کہ کہیں خدانخواستہ نیچے نہ ٹپکنے لگے اور آپ کو تکلیف ہو"۔ (سیرت ابن اسحاق بروایت ابوایوب انصاریؓ، ابن کثیر: ۲/ ۲۷۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ صحابہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، چنانچہ عراق اور پورا ملک فارس (ایران) حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت فتح ہوا اور ایسی تاریخ رقم ہوئی جس کا تصور بھی محال تھا، جنگی مہارت اور جنگی فنون سے واقفیت اور اقدامی صلاحیت کے باوجود افتراق اور تفرقہ کو بہت ناپسند کرتے اور مسلمانوں میں تلوار اٹھانے اور تیر نکالنے پر کسی قیمت میں تیار نہ ہوئے، اسی وجہ سے جب حضرت علی بن اُبی طالب رضی اللہ عنہ کے دور میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہوئی تو بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کر لی تھی، اور جنگ میں غیر جانبدار رہے، اور آپ زر سے لکھی جانے والی بات کہی جو تاریخ میں محفوظ ہوگئی ہے کہ مجھے ایسی تلوار لاکر دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو وہ قتل کردے، اور اگر وہ (وار) مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے، (معارف الحدیث ۸/ ۴۳۶)۔

صحابہ کرام کا ایمان ویقین اور آزمائش

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ آپ معجزات بھی دکھائیں اور جب جب معجزہ ظاہر ہوا ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں شک وشبہ اور تردد نہ رہا، جیسا کہ اسراء اور معراج کا واقعہ ہے۔ کفار بڑے خوش ہورہے تھے کہ اب صحابہ کیا کہیں گے،

لیکن ان کے اس جواب نے قریش کو انگشت بدنداں کر دیا کہ جب ہم اس پر یقین کر چکے کہ جبرئیل علیہ السلام چند لمحات میں وحی لے کر آسمان سے زمین پر اتر آتے ہیں اور پھر اوپر چلے جاتے ہیں، تو ہم کیوں اپنے نبی کے اس اعزاز پر یقین نہ کریں جو اللہ نے ان کو ایک ہی رات میں عطا کیا۔

صحابہ کرامؓ کو سخت ترین آزمائش اور ابتلاء سے مختلف موقعوں پر گزرنا پڑا، خود قرآن کریم نے اجتماعی طور پر ان کے امتحان سے گزرنے اور فائز المرام ہونے کا تذکرہ کیا ہے، جیسا کہ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (سورہ احزاب: ۹۔۱۱)

مومنو! خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت کی) جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کیے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان کو دیکھ رہا ہے، جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔

لیکن ان کی استقامت، ثبات قدمی اور غیر متزلزل ایمان ویقین پر اللہ نے جو مدد پہنچائی اس کا بھی اللہ نے ذکر کیا ہے اور اس پر صحابہ کو جو مسرت ہوئی اسے بھی اللہ نے

بیان فرمایا، ارشاد ربانی ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ (سورہ احزاب:۲۲-۲۴)

اور جب ایمان والوں نے لشکر دیکھے تو بولے اسی کا تو ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور ان کا ایمان اور جذبہ طاعت اور بڑھ گیا، ان ہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا وہ پورا کر دکھایا تو بعضوں نے اپنا ذمہ پورا کر دیا اور بعض انتظار میں ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے، تاکہ اللہ تعالی سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دیدے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

صلح حدیبیہ اور صحابہ کرام کی اطاعت وتابعداری

حدیبیہ کا معاملہ بھی غیر معمولی نوعیت کا ہے، صحابہ جو دین، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اپنے مزاج وطبیعت کے بالکل برخلاف صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وقیادت میں صلح کے لیے تیار ہوئے۔

ابھی صلح کی بات ہو ہی رہی تھی کہ اچانک خود (قریش کے نمائندہ) سہیل ہی کے بیٹے ابو جندل بن سہیل بیڑیوں میں گرتے پڑتے پہنچے، وہ مکہ کے نشیب سے آئے تھے اور کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو مسلمانوں تک پہنچا دیا تھا، سہیل نے اپنے بیٹے کے اس طرح

پہنچ جانے کو دیکھا تو کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاہدہ کے تحت یہ پہلا شخص ہے جس کی واپسی کا مطالبہ میں آپ ﷺ سے کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تو ہم نے معاہدہ کی تحریر مکمل بھی نہیں کی، اس نے جواب دیا: اگر ایسا ہے تو پھر میں کسی بات پر آپ ﷺ سے معاملہ کرنے پر تیار نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے کہنے پر (یعنی میری ذاتی فرمائش پر ہی) انھیں اجازت دے دو، اس نے کہا میں آپ ﷺ کے کہنے پر بھی اجازت نہیں دے سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا جو تمہارا جی چاہے کرو، اس نے کہا: مجھے کچھ نہیں کرنا ہے، یہ سن کر ابوجندل بولے: مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں اور پھر مشرکوں کو واپس کیا جارہا ہوں، کیا تم لوگ دیکھتے نہیں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟۔

(زادالمعاد: ۳/ ۲۹۴)

صورت حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی نمائندہ کے مطالبہ کی بنا پر ان کو واپس فرما دیا اور ابوجندلؓ نے بھی اپنے محبوب نبی ﷺ کی بات مان لی۔ یہ اطاعت وانقیاد اسلام کے فروغ کے لیے بڑی مؤثر ثابت ہوئی اور اس کثرت سے لوگ ایمان لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے جو اب تک کے ۱۸-۱۹ سال کے عرصہ میں نہیں لا سکے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ منی میں قربانی کرنے کے لیے لائے ہوئے جانوروں کو اب یہیں ذبح کردو، مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسے ہو رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے، اس لیے وہ نہیں سمجھ پائے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کچھ اور تو نہیں ہے، اس لیے کہ قربانی کے جانور مکہ پہنچنے سے پہلے ذبح کرنے کا کوئی دستور نہیں رہا ہے، اسی لیے وہ قربانی کرنے کیلئے آگے نہیں بڑھے، حضور ﷺ کو یہ محسوس کر کے کہ شاید مسلمان بات نہیں مان رہے ہیں، بڑی فکر اور ملال ہوا کہ کیا مسلمان اپنے نبی کا حکم ماننے سے گریز کر رہے ہیں، آپ

ﷺ اسی احساس ملال کیساتھ اپنے خیمہ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ آئی تھیں، آپ نے ان سے اپنے اس احساس کا تذکرہ کیا، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ نافرمانی نہیں ہے، یہ ذہن کے شدید تاثر کی وجہ سے بات نہ سمجھ پانے کی وجہ سے ہوگا، لہذا آپ ﷺ خود قربانی شروع کریں، تو لوگوں کا ذہن کھل جائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو جاکر ذبح کرنا شروع کردیا اور اس کے بعد حلق کرایا، جب انھوں نے آپ ﷺ کو قربانی کرتے اور حلق کراتے دیکھا تو سب اسی وقت تیزی سے کھڑے ہوگئے اور آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی اور حلق میں مشغول ہوگئے کہ نبی کے عمل کے خلاف عمل نہیں کرنا ہے۔

(زادالمعاد: ۳/ ۲۹۵)

فضالہ بن عمیرؓ اور عمرو بن العاصؓ کا واقعہ

فضالہ بن عمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں طواف فرمارہے تھے، میں برے ارادے سے آیا، جب قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: فضالہ! کہو کیا سوچ رہے ہو؟، میں نے کہا: کچھ نہیں، اللہ کا ذکر کررہا تھا، آپ ﷺ ہنسے اور کہا فضالہ! اللہ سے مغفرت چاہو، پھر آپ ﷺ نے دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، میرا دل ٹھہر گیا، خدا کی قسم ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا، کہ اللہ کی مخلوق میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی چیز میری نظر میں محبوب نہیں رہی، میں واپس گیا، تو وہ عورت ملی جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا اس نے کہا: آؤ فضالہ، باتیں کریں، میں نے کہا: اسلام کے بعد یہ نہیں ہوسکتا۔ (زادالمعاد)

حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی کہ میری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ مبغوض ہستی دنیا میں کوئی نہیں تھی، اگر خدانخواستہ اس وقت مجھے موقع مل جاتا، تو اپنی عاقبت ضرور خراب کرلیتا، لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ محبوب

محترم ذات دنیا کے پردے میں کوئی نہ تھی، یہاں تک کہ میں نظر بھر کر آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی آپ ﷺ کا حلیہ پوچھتا تو واللہ میں آپ ﷺ کا حلیہ مبارک نہیں بتلا سکتا تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو نظر بھر کر دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہوتی تھی (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

حضرات انصار سے موثر خطاب

غزوہ حنین کے مال غنیمت میں قریش کے نومسلم صحابہ کو زیادہ حصہ دیے جانے پر بعض انصاریوں کو بے چینی ہوئی، دراصل یہ بے چینی اس لیے ہوئی کہ کہیں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق کم تو نہیں ہو رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں کچھ باتیں بھی آپس میں انصار کے درمیان ہوئیں، آپ ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات انصار کو جمع کرایا اور ان کے آپ ﷺ پر شبہ کرنے پر کوئی ناگواری ظاہر نہیں فرمائی، بلکہ بڑی دلداری اور محبت کے اسلوب میں اپنی بات کی وضاحت فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنی بلیغ اور موثر وضاحت میں کہا کہ

> کیا ایسا نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں کے پاس آیا اور حالت یہ تھی کہ آپ سب لوگ راستہ سے بھٹکے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ کو راستہ دکھلایا اور آپ لوگ مالی تقویت کے معاملہ میں دوسروں کے دست نگر تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ لوگوں کی یہ محتاجی ختم کی اور آپ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کے دلوں میں آپس کی الفت پیدا کی، یہ سُن کر حضرات انصار نے کہا کہ واقعی اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان ہے اور وہ برتر ہیں، پھر آپؐ نے فرمایا کہ اے انصار بھائیو! کیا تم مجھ سے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہتے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ہم آپ ﷺ کو کیا جواب دے سکتے ہیں، احسان وکرم سب اللہ اور رسول ہی کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بخدا تم اگر چاہو تو تم یہ کہہ سکتے ہو اور تم یہ کہو گے تو سچ کہو گے اور میں

تمہاری تصدیق بھی کروں گا کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا، اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی، لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی اور آپ اپنی جگہ سے نکالے ہوئے تھے ہم نے آپ کو جگہ دی اور آپ دوسروں کے سہارے کے محتاج تھے، ہم نے آپ کے ساتھ ہمدردی کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار بھائیو! کیا تمہارے دلوں میں میرے متعلق شکایت پیدا ہوئی اور یہ شکایت دنیا کی کچھ تھوڑی سی مزیدار چیز کے سلسلہ میں ہوئی کہ جس کو دے کر میں نے کچھ لوگوں کو مانوس کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اسلام لے آئیں اور میں نے تم کو تمہارے اسلام کے سہارے کے سپرد کر دیا، اے انصار بھائیو! کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں کہ دیگر لوگ یہاں سے بکریاں اور اونٹ لے لے کر لوٹیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں کی طرف لوٹو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے تم جو لے کر لوٹو گے یقیناً اس سے بہتر ہے جس کو لے کر یہ لوگ لوٹیں گے، میں تو اگر ہجرت کرنے کا عمل ضروری نہ ہوتا تو انصار ہی کے اندر کا شخص ہوتا اور میرا طرز عمل تو یہ ہے کہ لوگ کسی ایک گھاٹی یا وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری گھاٹی اور وادی میں چلیں تو میں انصار ہی والی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا، انصار تو شعار ہیں (یعنی اس لباس کی طرح ہیں جو ہر وقت جسم سے لگا رہتا ہے) اور دیگر لوگ اوپری کپڑوں کی طرح ہیں (یعنی ایسے کپڑے جن کی ضرورت ہر وقت نہیں پڑتی)۔

پھر آپ نے اس دعاء پر خطاب پورا کیا کہ

اے اللہ انصار پر رحم فرما اور انصار کی اولاد پر رحم فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سننا تھا کہ لوگ رونے لگے اور اتنا روئے کہ داڑھیاں ان کی آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انہوں نے کہا کہ ہم بالکل راضی

اور خوش ہیں کہ ہمارے حصہ میں اللہ کے رسول آئیں، اس طرح ہم زیادہ فائدے میں ہوں گے"۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۴۹۹ صحیح بخاری، باب غزوۃ الطائف)

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنفیذ

صحابہؓ کے لیے اطاعت وانقیاد کا امتحان اس وقت بھی کم نہ تھا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمسن اور غلام زادہ صحابی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو امیر بنا کر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے حضرات کو بھی ان کے تابع کر دیا، سارے صحابہ نے بسر و چشم امارت تسلیم کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال فرمانے کا سانحۂ عظیم پیش آ گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارے کاموں پر اس کام کو ترجیح دی اور جیش اسامہ کو اسی طرح روانہ کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین وکذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے، لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی اور حکم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم معرض التوا میں پڑ جائے اور جو پرچم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا اس کو دوسری جانب حرکت دی جائے، چنانچہ آپؓ نے برہم ہو کر فرمایا:

> "خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا"۔

چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ تمام وہ لوگ جو لشکر اسامہ میں شامل تھے، روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ کے باہر لشکر گاہ مقام "جرف" میں جمع ہو جائیں، جب تمام لشکر باہر جمع ہو گیا تو حضرت اسامہؓ بن زید نے حضرت عمر فاروقؓ کو جو لشکر میں شامل تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بڑے بڑے آدمی سب میرے ساتھ ہیں، آپ ان کو واپس بلا لیں اور اپنے پاس رکھیں کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ مشرکین

حملہ کر کے آپ کو اور مسلمانوں کو اذیت پہنچائیں، حضرت عمرؓ لشکر گاہ سے سالار لشکر کا پیغام لے کے جب روانہ ہونے لگے تو انصار نے بھی ایک پیغام حضرت عمرؓ کے ذریعہ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ آپ اس لشکر کا سردار کوئی ایسا شخص مقرر فرمائیں جو اسامہؓ سے زیادہ عمر کا ہو، حضرت عمرؓ نے آکر اول حضرت اسامہؓ کا پیغام عرض کیا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ

> اس لشکر کے روانہ کرنے سے اگر تمام بستی خالی ہو جائے اور میں تن تنہا رہ جاؤں اور درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں، تب بھی اس لشکر کی روانگی ملتوی نہیں ہوسکتی، پھر انصار کا پیغام سن کر فرمایا: اے ابن خطاب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا اور تم مجھ سے ان کو معزول کرنے کی بات کہہ رہے ہو؟۔ (الکامل لابن الاثیر، ۳/ ۱۳۷-۱۳۸)

قدسی جماعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اعجاز صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے، یہ قدسی جماعت اسلام کا معجزہ ہے اور ساری انسانی خصوصیات اس مجموعہ میں سمٹ کر آگئی تھیں، ان کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہوئی، ان کی دوستی، دشمنی، ان کا سلوک اور ان کا لین دین سب اللہ کے لیے تھا، انبیاء اور رسولوں کے بعد کوئی جماعت اگر سب سے بہتر ہوسکتی ہے تو وہ یہی صحابہ تھے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جنہوں نے اس بڑی تعداد میں حجۃ الوداع میں عرفات میں جمع ہو کر اپنی محبت و فدائیت اور نبوی مشن سے تاحیات وابستگی کا یقین دلایا تھا، ایمان ان کے دلوں میں راسخ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب خلفائے راشدین ابوبکر و عمر اور عثمان و علی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کی باگ ڈور سنبھالی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ان کے ذریعہ پوری ہوئیں، قیصر

وکسری کا راج ختم ہوا اور اسلام کا روم وایران، مصروشام میں بول بالا ہوا اور ملک فتح ہوتے چلے گئے، صحابہ کو اللہ نے جو فضیلت وتفوق عطا فرمایا اس میں ان کا قیامت تک کوئی ہم سر نہ ہو سکے گا، جو ان کے اقدامات اور فیصلوں پر آج اعتراض کرتا ہے، یا ان کی نیتوں پر شبہ کرتا ہے، تو دراصل اس کو ان کی حسن تربیت پر شبہ ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کامل اور مؤثر نہیں تو پھر کس کی تربیت اپنا رنگ دکھائے گی؟ صحابہ کرام انسانوں کا عطر اور خلاصہ اور انسانی رفعت وبلندی کی آخری چوٹی پر فائز تھے اور انسانی اخلاق وصفات، عادات واطوار، محاسن وفضائل اور انسانی شرافت وکرامت میں اس بلند مقام پر فائز تھے، جس کو نوع انسانی کے بڑے بڑے عقلاء اپنے تخیل میں بھی نہیں لا سکتے۔ شیخ علی طنطاویؒ نے لکھا ہے:۔

''یہی وہ اسلام ہے جس کا آغاز جاہل، ان پڑھ، منتشر اور آپس میں دست وگریباں بدوعرب میں ہوا، اسلام نے انہی سے ایسا مجموعہ تیار کیا کہ انسانی تاریخ نے اس سے زیادہ متوازن ومکمل مجموعہ کمالات نہیں دیکھا، اسلام کی روح مسلمانوں کی روح میں رچ بس گئی اور ان کے دل ودماغ اور اعصاب پر چھا گئی، دنیا کی محبت، اس کی حرص ولالچ، خیانت، جھوٹ جیسے اخلاق ذمیمہ سے ان کو پاک کر دیا اور ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو انسانوں کا عطر وخلاصہ اور انسانی بلندی کی بلند ترین چوٹی پر فائز تھے، یہ دین کے ایسے غلام بن گئے جو نہ اپنے مال کا مالک ہے، نہ اپنی جان کا، جو مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنی سے ادنی تصرف بھی نہیں کر سکتا، ان لوگوں کی صلح وجنگ، دشمنی ودوستی، خوشی وناراضگی، عطا ومحرومی اور صلہ رحمی وقطع رحمی سب اللہ کے حکم کے تابع بن چکی تھی، جو کچھ بھی کرتے اس کے حکم کے موافق کرتے، شہوات اور نفسانیت کا خاتمہ ہو گیا تھا اور خواہشات اور خودسری سے مکمل طور پر دستبردار ہو گئے تھے

اوراب صرف خدا کی بندگی اور دین کی رہبری ودعوت تھی‘‘۔

(ابوبکر الصدیق، از: علی طنطاوی، مطبوعہ دارالمنارۃ، جدہ، ص:۲۸۔۲۹)

صحابہ کرام معیار حق ہیں

درحقیقت صحابہ سب کے سب عادل اورتام الضبط ہیں، شریعت اسلامی کے مرجع ہیں اورتمام فقہی مذاہب ومسالک انہی پر منتہی ہوئے ہیں، دین وشریعت میں انہی کا علم سب کے علم کی بنیاد ہے، ان سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اوراللہ کی رضا کا سبب اورآخرت میں اچھے انجام کا ذریعہ ہے، یہ رجال ہیں، لیکن ہماری اورآپ کی طرح نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچادیا، وحی نازل ہوتی تھی، اس کا پس منظران کے سامنے ہوتا تھا، وحی کو یہ لکھنے والے ہوتے تھے اور پھر اللہ نے قرآن مجید کے جمع وتدوین کا کام اسی قدسی جماعت سے لیا، عام امت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہی واسطہ ہیں، ان کو الگ کردیا جائے تو امت کا سلسلۂ نسب منقطع ہوجائے گا، نہ ہی ان کو الگ کرکے قرآن کو، نہ ہی حدیث کو، نہ ہی دین وشریعت اورفقہ وتاریخ کو سمجھا جاسکتا ہے۔

علامہ سیوطی کی یہ بات آب زر سے لکھی جانے والی ہے کہ

صحابۂ کرام جرح وتعدیل سے اس لیے بھی بالاتر ہیں کہ وہ شریعت کے حامل ہیں، اگران کو بھی عدالت میں لایا جائے گا تو شریعت محمدی صرف عہد نبوی تک خاص ہوکر رہ جائے گی اورزمانی ومکانی دونوں اعتبار سے ایک صدی اورایک دائرہ خلافت میں محدود رہ جائے گی۔(تدریب الروای، ص:۴۰۰)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

’’رضا(خوشنودی) اللہ تعالی کی ایک قدیم صفت ہے، اس لیے اللہ تعالی اسی

شخص سے راضی اور خوش ہوگا جس کے بارے میں وہ یہ جانتا ہے کہ اس کا وصال رضا کے تقاضوں کے ساتھ ہوگا اور جس سے اللہ تعالی راضی ہوگیا اس سے کبھی ناراض نہیں ہوگا، پس جس کے متعلق اللہ تعالی نے یہ خبر دے دی کہ وہ اس سے راضی ہوا تو وہ یقیناً جنتی ہے، اگر چہ اس کی رضا اس شخص کے ایمان لانے اور عمل صالح کرنے کے بعد ہو، تو اللہ تعالی اپنی اس رضا کا ذکر مدح وثنا اور تعریف کے مقام میں کرتے ہیں، اگر اللہ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ یہ شخص اس کے بعد ایسا کام کرے گا جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے گا تو وہ کبھی تعریف کا مستحق نہ ہوتا"۔

(الصارم المسلول: ۲/۵۷۲-۵۷۳، دارالکتب العلمیہ، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید)

ابونعیم نے اپنی کتاب ''الامامۃ'' میں لکھا ہے:

''اس شخص سے زیادہ برا حال کس کا ہوگا جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اور ان کی نافرمانی اور حکم عدولی کا راستہ اختیار کرے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے درگزر کریں اور ان کی لیے مغفرت طلب کریں اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں، ارشاد باری تعالیٰ:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ (آل عمران:۱۵۹)

اور اگر آپ تند خو، سخت طبع ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے، سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کر دیجیے، اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے۔ نیز فرمایا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورہ شعراء: ۲۱۵)

اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے، تو اب جو شخص انہیں گالی دے، ان کی تنقیص کرے، ان سے بغض رکھے اور ان کے مشاجرات اور باہمی جنگوں کی عمدہ تاویل اور ان کو اچھے معنی پر محمول نہ کرے تو وہ اس ادب و اخلاق کی حد سے منحرف ہو جائے گا جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں بڑی تاکید کے ساتھ دیا ہے، صحابہ کرام کی شان میں زبان درازی وہی شخص کرے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے صحابہ کرام اور اسلام اور مسلمانوں کا بدخواہ اور بدطینت ہوگا''۔

(الإمامہ، ۳۷۵-۳۷۶، تحقیق: علی فقیہی، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، طبع اول، ۱۴۰۷ھ)

سیرت نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و تاریخ ایمانی طاقت و قوت اور دینی جذبہ کا سرچشمہ ہیں جس سے یہ امت اور دینی دعوت و تحریک قوت و کمک اور ایمانی جوش و ولولہ حاصل کرتی ہیں اور دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو روشن کرتی ہیں جو مادیت کے تیز و تند جھونکوں میں بجھتی جا رہی ہیں اور اگر یہ انگیٹھیاں بجھ گئیں تو یہ امت اپنی طاقت و قوت، اپنی شناخت و پہچان، امتیازات و خصوصیات اور تاثیر کھو دے گی اور لاشہ بے جان بن رہ جائے گی۔

مدرسۂ نبوی کے تربیت یافتہ

مشہور مثل ہے ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے'' اور درخت سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جو اس کے سایہ میں بیٹھتا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

وقانا لفحة الرمضاء واد

سقاه مضاعف الغيث العميم

حللنا دوحه فحنا علينا

حنو المرضعات على الفطيم

(دھوپ کی تپش اور سختی سے ہم کو ایسی وادی نے بچالیا جس میں پانی تھا، ہم اس کے گھنے درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے، تو اس کی شاخوں نے ہم کو اپنے سایہ میں لیا جس طرح مائیں دودھ چھڑائے ہوئے بچوں کو اپنی شفقت و پیار کی آغوش میں لے لیتی ہیں)۔

لیکن یہ سایہ وقتی ہوتا ہے اور جب پھل میٹھا ہوتا ہے تو قریب و بعید، چھوٹے اور بڑے سب کو فائدہ پہنچاتا ہے، قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کو ''شجرہ طیبہ'' سے تشبیہ دی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ

اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَآءُ (ابراہیم: ۲۴-۲۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں، اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے، اللہ (اس قسم کی) مثالیں اس لیے دیتا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور ناپاک کلمہ کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو، جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے''۔

جس طرح درخت اپنے پھل اور کھیتی اپنے پودے سے پہچانی جاتی ہے، استاد بھی اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے، چنانچہ ہم تراجم اور سیر وسوانح کی کتابوں میں اساتذہ ومشائخ کا تذکرہ دیکھیں، پھر ان کے شاگردوں کو دیکھیں جو اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اسی طرح عظیم دینی شخصیات پر نظر ڈالیں اور ان لوگوں کو پڑھیں جن کے قابل رشک کارنامے تاریخ نے درج کیے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کے مشائخ کا فیض آنے والی نسلوں تک پہنچ سکا، تو ہم دیکھیں گے کہ یہ سب کچھ شیخ کی صلاحیت ودیدہ وری، اس کے علمی سرچشمہ اور متعلم ومسترشد کے اخاذ ذہن پر منحصر ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری تربیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور بہترین فرمائی ہے''۔ حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''کان خلقه القرآن'' آپ (ﷺ) اخلاق میں قرآن کا مجسم نمونہ

تھے‘‘۔خود قرآن نے حضور ﷺ کو معلم و مزکی کہا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ۝۲

(سورہ جمعہ:۲)

وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور پاک ﷺ کی براہ راست صحبت اٹھائی، چنانچہ صحابہؓ میں بھی حضور ﷺ کی صفات منتقل ہوئیں، ان صفات میں سب سے اہم صفت جذبہ دعوت ہے، ارشاد ربانی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۶۷ (المائدہ:۶۷)

اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو اور اگر ایسا نہیں کروگے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہونچایا اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائیگا۔یقین رکھو کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضور ﷺ کو مشقتوں کو برداشت کرنے، مشرکین سے اعراض برتنے، صبر اور معاف کرتے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ ’’اللہ کے راستے میں جتنا مجھے ڈرایا گیا اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اللہ کے راستے میں جتنی تکلیف مجھے دی گئی اتنی تکلیف کسی کو نہیں دی گئی، کئی بار ایسا ہوا کہ پورا پورا مہینہ اس حال

میں گزرا کہ نہ میرے پاس نہ بلال کے پاس کوئی چیز ایسی تھی جسے انسان کھا سکے، سوائے اس کے جو بلال اپنے بغل میں رکھ لیتے تھے۔ (ترمذی ۲۴۷۲، ابن ماجہ ۱۵۱)

یہی نہیں، بلکہ جو بھی حضور ﷺ پر ایمان لایا اور آپ کی صحبت ورفاقت سے شرف یاب ہوا وہ داعی الی اللہ اور تکلیف ومصیبت میں صبر کرنے والا بنا، سیر صحابہؓ میں محبت و وارفتگی اور راہ خدا میں جاں نثاری کے ایسے ایسے واقعات درج ہیں جسے سن کر اور پڑھ کر عقلِ انسانی حیران وششدرر رہ جاتی ہے۔ (تفصیل کے ملاحظہ کریں: سیرت ابن ہشام ۱/ ۳۱۷)

صبر وبرداشت کے نمونے

صحابہ کرامؓ نے ایسی سخت آزمائشوں کا سامنا کیا جس کے مقابلہ سے بلند وبالا سخت پہاڑ بھی قاصر ہیں، اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کیا اور سخت ترین مشقتیں برداشت کیں، جب کہ انھی مشقتوں کو دیکھ کر سرداران مکہ نے اسلام قبول نہیں کیا۔

عمار اور ان کے والد یاسر، ان کی والدہ سمیہ مسلمان ہوگئے تھے، بنی مخزوم ان کو باہر لاتے اور ان کو مکہ کی سخت گرمی اور تپش میں مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوتا تو آپؐ کو رنج وافسوس ہوتا لیکن آپؐ اس وقت اور کچھ نہیں کر سکتے تھے، سوائے اس تلقین کے کہ: "اصبروا یاآل یاسر فإن موعدکم الجنۃ" (آل یاسر ذرا صبر رکھو! تمہاری منزل جنت ہے) ان پر ظلم اس قدر بڑھا کہ کم بخت ابوجہل نے بی بی سمیہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا جس کے اثر سے وہ شہید ہوگئیں۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۲۰، زاد المعاد: ۳/ ۲۲)

حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کے بہت خوش پوشاک نوجوان تھے اور ناز ونعم میں پلے تھے، وہ اپنے والدین کے بڑے لاڈلے تھے، ان کی والدہ صاحب ثروت تھیں اور

ان کو اچھے سے اچھا لباس پہناتی تھیں، خوشبوؤں کے استعمال میں بھی اہل مکہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، حضرمی جوتے جو بہت قیمتی ہوتے ہیں ان کے استعمال میں رہتے، رسول اللہ ﷺ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے: ''میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ خوش وضع وخوب رو، جامہ زیب اوران سے زیادہ ناز پروردہ کسی اور کو نہیں دیکھا''۔ مصعب بن عمیرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ دارارقم میں دعوت اسلام دیتے ہیں، تو وہ بھی وہاں پہنچے، اسلام قبول کیا اور آپؐ کی تصدیق کی، وہاں سے نکل کر یہ بات اپنی والدہ اور قوم کے ڈر سے ظاہر نہیں کی اور چھپ چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے ملتے رہے، عثمان بن طلحہ نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اوران کی والدہ اوران کے قبیلہ والوں کو خبر دی، وہ ان کو پکڑ لے گئے اور قید کر دیا اور جب تک حبشہ کی طرف پہلی ہجرت نہ ہوئی وہ جیل ہی میں رہے، اس پہلے قافلہ کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی، پھر مسلمانوں کے ساتھ اس شان سے واپس ہوئے کہ ان کی حالت یکسر تبدیل ہو چکی تھی اور نرمی اور مرفہ الحالی کی جگہ کھردراپن پیدا ہو گیا تھا، ان کی والدہ بھی اس تغیر حال کو دیکھ کر ان کو لعنت وملامت کرنے سے باز رہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۸۲، الاستیعاب: ۱/ ۲۸۸)

بعض مسلمانوں نے مشرکین کی پناہ بھی لی تھی، یہ مشرکین قریش کے بااثر وذی وجاہت سردار تھے اوران کی پوری حفاظت کرتے تھے، عثمان بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لی تھی، لیکن ان کی غیرت نے اس کو گوارہ نہ کیا اور انہوں نے ان کی حمایت کی ذمہ داری ان کو واپس کردی، انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی خواہش اور تمنا ہوئی کہ میں غیر اللہ کی پناہ نہ لوں، ان سے اور کسی مشرک سے کچھ بات ہوئی، اس پر اس مشرک کو غصہ آ گیا اوراس نے اٹھ کر ان کی آنکھ پر ایک ایسا طمانچہ مارا کہ آنکھ جاتی رہی، ولید بن مغیرہ قریب ہی یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے کہا کہ خدا کی قسم! میرے بھتیجے تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی اور تم ایک مضبوط پناہ میں تھے، تم نے خواہ مخواہ اس مصیبت کو دعوت دی، حضرت عثمان بن مظعونؓ

نے جواب دیا کہ واللہ میری اچھی آنکھ بھی یہ تمنا کر رہی ہے کہ اس کے ساتھ وہی حادثہ پیش آئے اور اے عبد شمس! میں تو اس کے جوار اور پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ صاحب عزت اور با اقتدار ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۷۰)

جب حضرت عثمان بن عفانؓ اسلام لائے تو ان کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے خوب مضبوطی سے باندھ دیا اور اس کے بعد کہا کہ کیا تم اپنے آباؤ واجداد کا دین چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کر رہے ہو، خدا کی قسم میں تم کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک تم اپنے اس دین کو نہ چھوڑ دو گے، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ واللہ میں اس کو کبھی بھی نہ چھوڑوں گا، جب حکم نے اپنے دین پر ان کی یہ مضبوطی اور یقین دیکھا تو ان کو رہا کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کی خبر ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ کو ہوئی تو وہ حضرت عثمان کو کھجور میں باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔ (طبقات بن سعد: ۳/ ۳۷)

خباب بن ارت کے سر کے بال کھینچے جاتے، گردن مروڑی جاتی، بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔ (الکامل فی التاریخ: ۲/ ۶۷)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے، امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب امیہ نے سنا کہ بلال مسلمان ہو گئے ہیں، گونا گوں عذاب ان کے لیے ایجاد کیے گئے، گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انھیں لیے پھرتے، رسی کا نشان گردن میں نمایاں ہو جاتا، وادی مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر ان کو لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا، مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا، دھوپ میں بٹھایا جاتا، بھوکا رکھا جاتا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان سب حالتوں میں احد احد کے نعرہ لگاتے رہتے کہ خدا ایک ہے، خدا ایک ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۶۶، حلیۃ ابی نعیم: ۱/ ۱۴۹)

اس حالت میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے

گذرے اور امیہ کو حضرت بلال کے بدلہ میں ایک ان سے زیادہ مضبوط وتوانا اور سیاہ فام غلام دے کر حضرت بلال کو آزاد کرادیا۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۱۷-۳۱۸)

ابوفکیہہ جن کا نام افلح تھا، کے پاؤں میں رسی باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا (الکامل فی التاریخ: ۲/ ۶۹)۔

قریش کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ہی ساتھ نہ تھا؛ بلکہ اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی وہ ایسی ہی سنگ دلی کا برتاؤ کیا کرتے۔

بعض صحابہ کو قریش گائے، اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے، بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے جلتے پتھروں پر لٹادیا کرتے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اسلام کا راستہ کانٹوں بھرا نہایت پرخطر تھا، حق کا متلاشی جب تک سر پہ کفن اور ہتھیلی پر جان لے کر نہ چلے دولت اسلام سے مالا مال نہیں ہوسکتا تھا، بطور مثال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مکہ آمد، حضور ﷺ سے ملاقات اور مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ پڑھ سکتے ہیں جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے شہر یثرب میں ہی تھے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق کچھ اڑتی سی خبر سنی، اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس وادی یعنی مکہ میں جاؤ اور ذرا ان صاحب کا جو اپنے کو نبی کہتے ہیں اور جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، ان کا کچھ پتہ لگاؤ، ان کی گفتگو سنو اور پھر مجھے آکر بتاؤ، چنانچہ وہ روانہ ہوئے، ان کے برادر انیس خود ایک مشہور فصیح شاعر اور زبان آور تھے، وہ نبی کریم ﷺ سے ملے، آپؐ کی بات سنی، پھر بھائی کو جاکر بتایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ بہت پسندیدہ واعلی ترین اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، جو کلام میں سن کر آیا ہوں، اسے کسی طرح بھی شعر نہیں کہا جاسکتا ہے، حضرت

ابوذر بولے، اتنی سی بات سے تو کچھ تسلی نہیں ہوتی، آخر خود پیدل چل کر مکہ پہنچے۔

حضرت ابوذرؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت نہ تھی اور کسی سے دریافت کرنا بھی مناسب نہ سمجھتے تھے، اسی تلاش میں رات ہوگئی، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو دیکھا اور ان کو اندازہ ہوگیا کہ یہ کوئی نو وارد اور مسافر ہے، علی مرتضیٰ نے کہا: اچھا میرے ہاں چلو، یہ رات کو وہیں رہے، لیکن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا، جب صبح ہوئی، تو وہ اپنا مشکیزہ اور زادِ راہ لیکر پھر اسی مسجد میں پڑ گئے اور یہ دن بھی اسی طرح گذر گیا، دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش تھی، مگر کسی سے دریافت نہ کرتے تھے، علی مرتضیٰ پھر آپہنچے، انہوں نے فرمایا، شاید تمہیں اپنا ٹھکانہ نہیں ملا، ابوذر نے اثبات میں جواب دیا، علی مرتضیٰ پھر ساتھ لے گئے، اب انہوں نے پوچھا، تم آخر ہو کون اور یہاں کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، اگر تم مجھ سے رازداری، اخفائے حال اور میری رہنمائی کا وعدہ کرو، تو بتا سکتا ہوں، علی مرتضیٰؓ نے وعدہ کرلیا، ابوذر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے، میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا، وہ یہاں سے کچھ تسلی بخش بات لیکر نہ گیا، اس لیے خود آ گیا ہوں، علی مرتضیٰؓ نے کہا: تم خوب آئے اور خوب ہوا کہ مجھ سے ملے، دیکھو میں انہی کی خدمت میں جا رہا ہوں، میرے ساتھ چلو، میں پہلے اندر جا کر دیکھ لوں گا، اگر اس وقت ملنا مناسب نہ ہوگا، تو میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا گویا جوتا درست کر رہا ہوں۔

الغرض ابوذرؓ علی مرتضیٰؓ کے ساتھ خدمت نبوی میں پہنچے اور عرض کیا: مجھے بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بابت بیان فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر وہ اسی جگہ مسلمان ہوگئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر تم ابھی اس بات کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ، جب تمہیں ہمارے ظہور کی خبر مل جائے تب آ جانا، انہوں نے کہا: بخدا میں تو ان دشمنوں میں اعلان کر کے جاؤں گا، اب ابوذر کعبہ کی طرف آئے، قریش جمع تھے،

انہوں نے سب کو سنا کر بآواز بلند کلمۂ شہادت ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ'' پڑھا، یہ سن کر لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور اتنا مارا کہ بے دم ہوکر زمین پر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عباس آگئے، انہوں نے انہیں جھک کر دیکھا اور کہا کم بختو! یہ قبیلۂ غفار سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ انہی کے قبیلہ سے ہوکر گزرتا ہے، لوگ یہ سن کر ہٹ گئے، اگلے دن پھر سب کو سنا کر کلمہ پڑھا، پھر لوگوں نے انہیں مارا اور حضرت عباس نے آکر ان کی مدد کی۔

(بخاری، باب اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۳۸۶۱، ومسلم: ۴۷۴۴)

عشق نبوی کے نمونہ

جن لوگوں نے حضور ﷺ کی صحبت وتربیت میں پرورش پائی اور پروان چڑھے، انھوں نے علم وحکمت اسی نبوی مدرسہ میں حاصل کیا، تزکیہ واحسان کا فیض یہیں سے اٹھایا، یہاں استفادہ ہی تعلق کی اصل بنیاد تھا، صحابہ کا نبی ﷺ سے تعلق اتنا پختہ تھا کہ کوئی دوسرا تعلق اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ یہ تعلق فدائیت وجاںنثاری اور محبت پر مبنی تھا، صحابہ کرامؓ ہر معاملہ میں آپؐ ہی کو اسوہ اور نمونہ مانتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس مثالی ربط وتعلق، رسول اکرم ﷺ سے استفادہ کا شوق وجذبہ، بلکہ انفرادی واجتماعی ہر سطح پر آپ سے مشورہ اور دین ودنیا کے ہر مسئلہ میں آپ ہی کو فیصل ومقتدا ماننے کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ سب کے سب کلی طور پر نبی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ارباب قیادت وسیادت بلکہ انبیائے سابقین کی تاریخ میں انفرادی سطح پر اس قدر ہم آہنگی کی مثال نہیں ملتی، اِلا ماشاءاللہ۔

اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اس بے نظیر خوبی، مثالی تعلق ومحبت، جاںنثاری اور اطاعت وتابعداری کا اعتراف دشمنوں نے بھی کیا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر عروۃ بن

مسعود ثقفی رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ملے اور آپ ﷺ سے گفتگو کی، دوران گفتگو عروہ کنکھیوں سے صحابۂ کرام کو دیکھتے جاتے تھے، جن کا حال یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ تھوکتے تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا اور اپنے چہرے اور جسم پر لگا لیتا، آپ ﷺ کوئی حکم فرماتے تو ہر شخص تعمیل کے لیے لپکتا، وضو فرماتے تو وضو کے پانی پر جاں نثار اس طرح ٹوٹتے کہ لڑائی کا خطرہ ہونے لگتا، آپ ﷺ کلام فرماتے تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے، فرط تعظیم اور ادب کی وجہ سے کوئی آپ ﷺ سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کرتا، عروہ نے واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی شان وشوکت بھی دیکھی ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے درباری ومصاحبین ایسا ادب اور اس درجہ تعظیم کرتے ہوں جیسے کہ محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔ (بخاری، باب الشروط فی الجھاد والمصالحۃ مع اھل الحرب)

ابوجحیفہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بلال نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے پانی کو لیا اور لوگ ان کے پیچھے دوڑ پڑے، جس کو اس پانی سے کچھ مل جاتا اس کو اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا اور جس کو نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کی تری سے لے لیتا"۔

غزوہ احد میں ایک موقع پر جب یہ خبر پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو ایک بھی صحابی نے تخلف نہیں کیا؛ بلکہ یہ صدا بلند ہوئی کہ چلو تم بھی اسی پر جان دیدو جس پر آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان قربان کر دی ہے۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ

صحابہ کرام کی اس صفت کا اعتراف اس مکالمہ میں بھی ملتا ہے جو ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان ہوا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ان سے ابوسفیان نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملک شام گیا تھا تو ہم وہیں تھے، دحیہ کلبی وہ خط لائے

تھے، انہوں نے بصریٰ کے امیر کو دیا تھا اور امیر بصریٰ نے ہرقل کو دیا، ہرقل نے پوچھا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے کیا اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ہے، لوگوں نے کہا کہ ہاں، اس لیے وہ لوگ مجھ کو اور میرے چند ساتھیوں کو ہرقل کے پاس لے گئے، ہرقل نے پوچھا کہ ان کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے، ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں، اس لیے ابوسفیان کو ہرقل کے سامنے بٹھایا اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے، پھر ہرقل نے ترجمان کے ذریعے کہا کہ مدعی نبوت کے بارہ میں ہم کچھ ان سے پوچھنا چاہتے ہیں، اگر ہم سے یہ کوئی بات غلط کہیں تو تم لوگ اسکو ظاہر کر دینا، ابوسفیان کا بیان ہے کہ اگر ہم کو ہمارا جھوٹ بولنا ظاہر ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ضرور اس روز ہم بہت سی بات لگا کر کہتے۔

ہرقل: ان کا نسب کیا ہے؟

ابوسفیان: وہ ہم میں عالی نسب سمجھے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا جو بات وہ کہتے ہیں ان سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا صاحب اثر لوگوں نے ان کا اتباع کیا ہے یا کمزوروں نے؟

ابوسفیان: کمزور لوگوں نے۔

ہرقل: ان کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد دین کو ناپسند کر کے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیاان کے اس دعوے سے پہلے بھی تم نے کبھی ان پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا وہ عہد وقرار کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں؟

ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں کی، لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟

ہرقل: تم لوگوں نے کبھی ان سے جنگ کی؟

ابوسفیان: ہاں۔

ہرقل: نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان: جنگ کا پانسہ ہمارے اوران کے درمیان پلٹتا رہتا ہے، کبھی ہم غالب آتے ہیں کبھی وہ۔

ہرقل: وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ کہتے ہیں کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اورکو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔

ہرقل نے مترجم سے کہا کہ ان سے کہو کہ ہم نے تم سے ان کے نسب کے بابت دریافت کیا، توتم نے بتایا کہ وہ تم میں شریف النسب ہیں، پیغمبر ہمیشہ اچھے ہی خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا، توتم نے کہا کہ نہیں، اگران سے پہلے کسی نے یہ دعوی کیا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اسی کی نقل کررہے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیاان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے تم نے کہا نہیں، اگرکوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ اپنے خاندان کی بادشاہت کے طالب ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اس دعوی سے پہلے بھی کبھی جھوٹا کہتے تھے، تم نے کہا نہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ ناممکن تھا کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولیں اور

اللہ پر جھوٹ باندھیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ شرفاء اور با اثر لوگ ان کے تبع ہیں یا غریب اور کمزور، تم نے کہا کمزوروں نے ہی ان کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں، تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں، ایمان کا یہی معاملہ ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کمال کو پہنچ جائے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی ان کے دین سے ناراض ہوکر مرتد بھی ہو جاتا ہے، تم نے کہا نہیں، ایمان کا حال یہی ہوتا ہے، جب دلوں کو اس کی چاشنی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ نکلتا نہیں ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، تم نے کہا نہیں، پیغمبر اسی طرح خلاف ورزی نہیں کرتے اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ کیا سکھاتے ہیں، تم نے بتایا کہ وہ تم کو یہ سکھاتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور تم کو بتوں کی پوجا سے روکتے ہیں، نماز، سچائی، پاکدامنی کی تعلیم دیتے ہیں، اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو عنقریب اس وقت جہاں میرے قدم ہیں وہاں تک ان کا قبضہ ہو جائیگا، مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر میں وہاں جا سکتا تو ضرور ان کی ملاقات کے لیے جاتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ (بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۷، مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۷۳، ترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۱۸، ابوداود، رقم الحدیث: ۵۱۳۶، مسند احمد: ۱/ ۲۶۳)

صحابہ کرام کا امتیاز

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے، فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جن کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پا جاوگے۔ (جمع الفوائد: ۲ / ۱۰۲)۔ ستارے روشنی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا

اس میں کوئی ثریا ہے، زہرہ ہے، نجم ہے، تو کوئی کوکب ہے، ان سب کی امتیازی صفت یہ ہے کہ سب روشنی دیتے ہیں اور تاریکی کو دور کرتے ہیں جس کے ذریعہ انسان راہ یاب ہوتا ہے، حدیث صحیح میں مذکور ہے: ''تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین - جو ہدایت یافتہ ہیں - کی سنت کا اتباع لازم ہے، تم اسے اختیار کرو اور اسے مضوطی سے پکڑ لو''۔ امام بخاریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ (کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار) ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا فرقہ نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ جماعت جو میرے اور میرے صحابہ کے راستہ پر ہوگی''۔ انصار ہوں کہ مہاجرین، سب ہر طرح کے خطرات اور تمام غزوات کے موقع پر استقامت کے ساتھ جمے رہے اور جس اعتماد کے ساتھ حضور ﷺ کے پاس رہتے اور مستفید ہوتے تھے اسے ہر وقت اور ہر حال میں بحال رکھا، چنانچہ پرخطر مواقع پر کسی نے بھی پسپائی اختیار نہیں کی، غزوہ تبوک میں تین لوگ پیچھے رہ گئے تو احساس ندامت کی وجہ سے خود ان کی جان پر بن آئی تھی، ان تین میں ایک کعب بن مالکؓ بھی تھے، ان کا قصہ انھیں کی زبانی سنیے تو انداز بیان سے ہی معلوم ہو جایگا کہ انھیں حضور ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت تھی اور غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو پانے کی وجہ سے کتنی ندامت ہوئی اور ضمیر نے کس قدر ملامت کی تھی، اسی دوران خبر پا کر ملک غسان نے اپنے گروہ میں شمولیت کی دعوت دی تو دعوت نامہ کو نذر آتش کر دیا اور اسے ایک طرح کی آزمائش خیال کرتے ہوئے وفا و حق پرستی اور استقامت کا ثبوت پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو صحابہ کی پہلی جماعت تیار کرنے کا موقع عنایت فرمایا، لہٰذا حضور ﷺ نے انھیں جاہلیت کی گرد آلود فضا سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائے، چنانچہ سب کے سب عالم انسانی کی معزز ترین اور تاریخ ساز شخصیت کے روپ

کشمکش میں مبتلا تھی، اس جماعت نے آکر اس کی زندگی کا پلڑا جھکا دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور پھر اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لیے ضروری تھا، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا:
''اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا''۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جارہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ ﷺ کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ چستی اور سستی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس بار جہاد کے لیے نکلے اور آپؐ کے حکم سے سو مرتبہ سے زائد کمر بستہ ہو کر میدان جنگ کی طرف گئے، ان کے لیے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل و عیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آگئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپؐ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی کشمکش پیش نہ آئی، جس بات کا فیصلہ آپؐ فرمادیتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لیے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا، ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیے

گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

دنیا میں رہتے ہوئے مردان آخرت اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے، نہ کسی نعمت پر اتراتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لیے وہ میزان عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے، خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں پر ڈال دیا اور دنیا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، وہ اس وقت دنیا کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا جانشین بنایا اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے"۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ۸۴-۸۶)

سلام دشمن ذرائع ابلاغ صحابہ کرامؓ کی شان کو نیچا دکھانے کے لیے اسلامی تاریخ کے بعض واقعات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور غیر اسلامی ماحول میں نشو نما پانے والے نوجوانوں کے ذہن میں غلط تصویر بٹھاتے ہیں، حضور ﷺ کی تربیت پر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ چینلز تو حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کے موقف پر ایسے انداز میں سوالات کھڑے کرتے ہیں جس سے انسان شک میں پڑ جائے اور بسا اوقات ایسے الزامات لگاتے ہیں جو اسلام اور اسلامی شخصیات سے متعلق بے اعتمادی اور غلط فہمیوں کو جنم دیتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ جب ہم اسلام اور اسلامی علوم کی خدمت کرنے والوں کی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ جو اہتمام اور توجہ ہمارے علماء

نے علوم اسلامیہ وشرعیہ کے ساتھ کی وہ توجہ تاریخ کے ساتھ نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تاریخی روایات کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا کام ان لوگوں نے اپنے سرلیا جو ثقہ نہیں تھے اور انہوں نے بے احتیاطی سے یہ کام کیا اور رطب و یابس سب جمع کرلیا جس میں مخالفین اسلام کی صحابہؓ سے متعلق ایسی من گھڑت باتیں بھی آگئیں جو ان کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ مستشرقین نے سیرت نبوی، سیرت صحابہ اور اسلامی تاریخ کے وہ پہلو اجاگر کیے جن سے لوگوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں اور رائی کو پہاڑ بنانے کا کام کیا اور ایک خاص فکر سے یہ کام جاری رہا، یورپ کے مصنفین نے بعض عرب ادباء کو اپنے قافلہ میں شامل کرکے اور زیادہ نقصان پہنچادیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اصحابِ رسول کے منہج اور طریقۂ کار کو بیان کیا جائے، ان کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا جائے، اللہ کی خوشنودی کے حصول کے راستہ میں ان کی قربانی، خلوص، امانتداری، خوف خدا، جنت اور آخرت کا شوق اور رسول سے ان کے عشق ومحبت، اتباع رسول میں ان کی فدائیت، جانثاری، وفاداری اور اشاعت اسلام اور اسلامی خلافت کے قیام کے راستہ میں ان کے کردار اور مثالی خدمات کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے، ان میں انصار اور مہاجرین کی کوئی تفریق نہیں؛ بلکہ جسے بھی صحبت رسول کا شرف حاصل ہوا اور صحابہ کی صف میں شامل ہوا، وہ سب قابل احترام ہی نہیں؛ قابل تقلید نمونہ ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ"

میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم کہ اگر تم میں کوئی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کے مد یا نصف مد کے برابر صدقہ کی بھی برابری نہیں کرسکتا۔ (بخاری ومسلم)

"أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُم"

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (جمع الفوائد ۲/ ۲۰۱)